تفسیر المنار (جلد اول) — تحلیل و تجزیہ

ابوسفیان اصلاحی

بیسویں صدی کی جن تفاسیر نے عرب وعجم دونوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور مفسرین کے ایک بڑے طبقہ کو متاثر کیا ان میں تفسیر ''المنار'' کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ تفسیر چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ نامکمل تفسیر سورہ یوسف کی باون آیت تک کا احاطہ کرتی ہے۔ تفسیر ''المنار'' کو رشید رضا مصری (۱۸۶۵-۱۹۳۵) نے اپنے استاذ شیخ محمد عبدہٗ (۱۸۴۸-۱۹۰۵) کے ان دروس قرآن سے متاثر ہو کر ترتیب دیا جو انھوں نے جامعہ ازہر کے اساتذہ وطلبہ کے سامنے چھ سال (محرم ۱۳۱۷ھ تا محرم ۱۳۲۳ھ) کے درمیان دیے۔ تفسیر المنار کے بارہ اجزاء پر بحیثیت مفسر شیخ محمد عبدہٗ اور بحیثیت مؤلف رشید رضا کے نام مندرج ہیں۔ لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ان حصوں میں بھی خاصے طویل مباحث کے بعد کہیں کہیں استاذ گرامی کی آراء نقل کی گئی ہیں۔ اس تفسیر پر استاذ گرامی کے افکار و خیالات کی گہری چھاپ تو ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ صرف استاذ کے دروس پر مبنی ہے کسی طرح درست نہیں، اس تفسیر میں استاذ گرامی سے استفادہ تو ہے لیکن اسے رشید رضا کی کاوشوں کا ثمرہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ تفسیر آیات کے باب میں جس طرح مفسرین کی آراء، علماء نحو کے خیالات، صوفیاء کے تفسیری رجحانات، متکلمین کے نظریات، مستشرقین کے اعتراضات اور احادیث کے مقام ومرتبہ سے بحث کی گئی ہے وہ کسی طرح درس قرآن کے دوران ممکن نہیں۔ اسی طرح اپنے استاذ کے بعض خیالات کے ثبوت میں استدلال کرتے ہوئے جس عالمانہ انداز میں انھوں نے علمی اور تحقیقی مباحث کو اٹھایا ہے ان کا بھی درس میں زیر بحث آنا مشکل ہے۔

شیخ محمد عبدہٗ نے اپنے درس قرآن میں اس بنیادی نکتہ پر ہمیشہ زور دیا کہ یہ کتاب کتابِ ہدایت ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر اس انداز سے کی جائے کہ اس کا یہ پہلو ابھرا ہوا نظر آئے۔ اس تفسیر میں استاذ کے اس نقطۂ نظر کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیرِ آیات کے ضمن میں معاشرتی، ملی، عالمی اور بلاد عربیہ کے مخصوص مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ ملتِ اسلامیہ اور عربوں کی زبوں حالی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور عربوں کے اندر پیدا ہو جانے والے دینی اور معاشرتی امراض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ عصری مسائل کو موضوع بحث بنانا اس تفسیر کی ایک امتیازی شان ہے۔ اس تفسیر میں جگہ جگہ قرآن کریم کے ادبی و بلاغی پہلوؤں کو بھی منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ املاء کے مسائل سے بھی بحث کی گئی ہے، صحف سماویہ سے استفادے پر تاکید اور اسرائیلیات سے اجتناب پر زور دیا گیا ہے۔ مختلف اسلامی فرقوں کا قابل قدر تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس تفسیر کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ سائنسی مسائل کو بھی گفتگو کا موضوع بنایا گیا ہے۔ اس تفسیر کا ایک بنیادی پہلو یہ بھی ہے کہ تفسیر آیات کے لیے ربطِ آیات اور سیاق وسباق کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور اس نقطہ نظر کی وکالت کی گئی ہے کہ ایک مفسر قرآن کے لیے اسباب نزول سے زیادہ ربطِ آیات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس مضمون میں تفسیر المنار کے ابتدائی دو حصوں کو ہی پیش نظر رکھا جائے گا۔

رشید رضا نے مقدمہ تفسیر میں فہم قرآن سے متعلق اپنے استاذ کے بڑے قیمتی افادات پیش کیے ہیں، اس ضمن میں تفسیر کے متداول طریقوں پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض تفاسیر میں صرف قرآن کریم کے ادبی اعجاز، بعض تفاسیر میں اس کے نحوی مباحث پر پورا زور صرف کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض تفاسیر میں قصص القرآن کے توسط سے کتب تاریخ اور اسرائیلیات کو حقیقی درجہ دے دیا گیا۔ بعض تفاسیر میں سارا زور احکام القرآن پر صرف کیا گیا ہے۔ بعض تفاسیر میں مناظرانہ انداز کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ بعض تفاسیر میں اخلاقیات کے تعلق سے صوفیاء کرام اور زہاد کے واردات وواقعات پر زور دیا گیا ہے۔ اور بعض تفاسیر میں فرقۂ باطنیہ کو اولیت دی گئی ہے۔ ان تفسیری مناہج پر

تنقید کرتے ہوئے وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ چیزیں انسان کو حقیقی مقاصد سے بے گانہ کرتی ہیں۔ چناں چہ ضرورت اس بات کی ہے کہ تفسیر قرآن اس انداز سے کی جائے کہ اس سے دین اسلام کی سچی تصویر ابھر کر سامنے آئے اور یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے کہ انسانیت کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور کتابِ ہدایت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر میں ایک حد تک قرآن کریم کی ادبی ولسانی خصوصیات اور نحوی خوبیوں کو بھی بیان کرنے کی جدوجہد کی جائے۔[1] عبدہ کا خیال ہے کہ متقدمین مفسرین نے بعض مخصوص مسائل پر اپنی تمام تر توجہ صرف کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم جو "ہدایت بالغہ" ہے، اس کا پورا پورا حق ادا نہیں ہو پاتا۔ وہ اپنی تفسیر کی خصوصیات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ اس تفسیر میں وجوہ بلاغت پر اسی حد تک توجہ دی جائے گی جس حد تک زیر بحث معانی کی تشریح وتوضیح کے لیے ان کی ضرورت ہو، اور اعراب کی تحقیق کا انداز ایسا ہوگا جس سے قرآن کریم کی بلاغت وفصاحت کا پہلو متاثر نہ ہو۔ اسی طرح مشکلات القرآن کو بھی بقدر ضرورت موضوع بحث بنایا جائے گا۔ اور نحوی اصطلاحات کی تصریح وتفصیل میں نہ جاتے ہوئے اعراب کی طرف اشارہ کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ بلاغت کے نکات کی تشریح اور بنیادی قوانین کے بیان میں طریقۂ بحث اختیار کیا گیا ہے۔ تفسیر قرآن میں اس پہلو پر شدت اعتناء کی وجہ یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ مباحث طالب قرآن کو غایت حقیقی سے دور کریں اور وہ اس کتاب الٰہی سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے سے قاصر رہ جائے۔[2] یعنی قاری اس کے کتاب کے اصل پیغام سے محروم رہ جائے۔

عہدِ جدید کے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اب کسی نئی تفسیر اور تفکر فی القرآن کی ضرورت نہیں، کیوں کہ متقدمین قرآن وحدیث پر ممکن حد تک غور وخوض کے بعد ان سے احکام کا استنباط کر چکے ہیں، اب ہماری ذمہ داری یہ رہ جاتی ہے کہ ہم ان کتابوں سے استفادہ کریں۔ عبدہٗ کا خیال ہے کہ اگر اس منطق کو درست مان لیا جائے تو اب کسی نئی تفسیر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اور یہ خیال اجماع امت کے برخلاف بھی ہے۔ افسوس صد افسوس کہ ایسا خیال کیسے ایک مسلم کے ذہن میں پیدا ہو؟ جہاں تک فقہی احکام کا سوال

ہے تو یہ قرآن کریم کا بہت تھوڑا حصہ ہیں، اصلاً یہ کتاب تزکیۂ وتربیت کی کتاب ہے اور اسی کتاب کے توسط سے بنی نوع انسان کو معرفت خداوندی حاصل ہوسکتی ہے اور اسی کتاب میں ہر عہد اور ہر دور کے جملہ مسائل ومشکلات کا حل موجود ہے اس لیے کہ رشد و ہدایت اور فقہ کا سرچشمہ یہی کتاب ہے۔ یہ کتاب علوم ومعارف اور حکمتوں سے مالا مال ہے اگرچہ بہت سی قرآنی حکمتیں انسانی عقل کی دسترس سے باہر ہیں۔ رہتی دنیا تک اللہ کی یہ کتاب ایک طرف اگر صحیفۂ حیات ہے۔[۳] تو دوسری طرف سامان عبرت وبصیرت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ "القرآن حجة لک او علیک". [۴] قرآن کریم یا تو تمہارے لیے حجت ہے یا تمہارے خلاف حجت ہے۔

قرآن کریم کے خطابات سے بالکل عیاں ہے کہ یہ کتاب کسی مخصوص شخص کی ذات یا کسی مخصوص عہد سے وابستہ نہیں ہے، بلکہ اس کا ہر عہد اور ہر دور کے انسانوں سے تعلق ہے۔ عالم اور عامی دونوں اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق اس سے استفادہ کرتے رہیں گے اور اس کی تعلیمات سے اپنی زندگی کی تعمیر واصلاح کے لیے ہدایت اور روشنی حاصل کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ کا تقوی اپنے دل ودماغ میں جاگزیں کرتے رہیں گے جو قرآن کریم کا بنیادی مقصد ہے۔

مقدمہ تفسیر المنار میں فہم قرآن کی راہ میں پیش آنے والے بعض اہم مسائل کی جانب توجہ دی گئی ہے۔ فہم قرآن کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ مفردات کے صحیح معانی و مفاہیم تک رسائی کی سنجیدہ کوشش کی جائے، کیوں کہ قرآن کریم میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں، جن کے معانی نزول قرآن سے قبل کچھ اور تھے، لیکن قرآن کریم میں وہ مخصوص معانی میں استعمال کیے گئے ہیں۔ اگر ان الفاظ کے صحیح معانی ومفاہیم پیش نظر نہ رہیں، تو تفسیر قرآن میں مشکلات آئیں گی۔ مثال کے طور پر بعض الفاظ عام طور پر ایک معنی میں استعمال ہوئے لیکن قرآن مجید میں ان کا استعمال دوسرے معانی میں بھی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ تاویل کو لیجیے جو بالعموم تفسیر کے معنی میں مستعمل ہے لیکن یہ لفظ قرآن مجید میں دوسرے معانی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا:

"ھل ینظرون الا تاویله یوم یاتی تاویله یقول الذین نسوہ من قبل قدجاء ت رسل ربنا بالحق" .
(الاعراف:۷/۵۳)

اب کیا یہ لوگ اس کے سوا کسی اور بات کے منتظر ہیں کہ وہ انجام سامنے آجائے، جس کی یہ کتاب خبر دے رہی ہے، جس روز وہ انجام سامنے آ گیا، تو وہی لوگ جنھوں نے پہلے اسے نظر انداز کر دیا تھا کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے۔

تاویل کا مفہوم دراصل آیات کریمہ کی حقیقی روح تک رسائی کا نام ہے۔اس لیے مفسر کے لیے ضروری ہے کہ عوام الناس اور قرآن کریم میں مشترکہ مستعمل الفاظ کے مابین واضح فرق کی گرفت کے لیے مختلف آیات کریمہ میں مستعمل لفظ کو پیش نظر رکھ کر معنی و مفہوم کی تعیین کی جائے۔۵ جیسا کہ لفظ "ہدایت"۶ مختلف مقامات پر مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔اور یہ چیز پورے طور سے اسی وقت سامنے آسکتی جب کہ ربط آیات کے تناظر میں ان کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔۷

فہم قرآن کے لیے ایک دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ قرآن کریم کے اسالیب پر گہری نظر ہو، قرآنی اسالیب کی صحیح فہم اسی وقت ممکن ہے جب مفسر کی نظر ادب عالیہ یعنی خطبات عرب اور کلام عرب پر رہی ہو۔ان دونوں کے بغیر قرآن کریم کے ادبی محاسن اور اسلوبیاتی نکات کا فہم ممکن نہیں۔

فہم قرآن کی ایک بنیادی ضرورت یہ بھی ہے کہ تہذیب انسانی کے ارتقاء یعنی علم احوال بشر سے پوری پوری واقفیت ہو۔قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر بنی نوع آدم کے احوال واعمال سے بحث کی گئی ہے، اس کا ذکر بار بار آیا ہے کہ انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف اقوام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا۔تہذیب انسانی کے متعلق متعدد واقعات اس میں مذکور ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ، فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ" (البقرة: ۲۱۳)

ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقہ پر تھے (یہ حالات باقی نہ رہے، اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے راستے سے ڈرانے والے تھے۔

شیخ محمد عبدہٗ کہتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر علم احوال البشر سے واقفیت کے بغیر ممکن ہی نہیں، لوگوں کے اتحاد اور ان کے افتراق سے کیا مراد ہے؟ وحدت انسانی بنی نوع آدم کے لیے مفید ہے یا مضر؟ اور انبیاء کرام کی بعثت کے کیا اثرات ان پر مرتب ہوئے؟ ان تمام پہلوؤں سے پوری واقفیت کے بعد ہی اس آیت کی تفسیر ممکن ہے۔

فہم قرآن کی ایک بنیادی ضرورت یہ بھی ہے کہ بعثت رسولؐ سے قبل عربوں کے احوال وآثار پر نظر ہو اور ان کے بارے میں پوری معلومات حاصل ہوں۔ اس کے بغیر دین اسلام کی اصل تصویر سامنے نہیں آسکتی۔ اسلام کی برکات سے کما حقہ واقفیت کے لیے دور جاہلیت کے حالات سے باخبری کی ضرورت واہمیت کا صحیح اندازہ حضرت عمرؓ سے مروی اس قول سے لگایا جاسکتا ہے۔

"انما تنقص عرى الاسلام عروة عروة اذا نشأ في الاسلام من لايعرف الجاهلية"

عہد اسلام میں پیدا ہونے والا اگر دورِ جاہلیت سے عدم واقفیت کا شکار ہو تو وہ دین اسلام کے اثرات، انسانی معاشرہ پر اللہ کی غیر معمولی رحمت اور رحمت عالم محمد ﷺ کا لوگوں کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کے اجالے کی طرف رہنمائی کی تاریخ کو صحیح طور سمجھ ہی نہیں سکتا، اس طرح دین اسلام کو دنیا میں رائج مذاہب میں سے ایک مذہب کی حیثیت سے سمجھنے کا رجحان بڑھے گا۔

مذکورہ بالا گفتگو سے دو باتیں سامنے آتی ہیں ایک تو یہ کہ کچھ مفسرین نے صرف کتاب عزیز کے الفاظ، ادبی وفنی خصائص، جملوں کی ساخت اور اس کے ایجاز واطناب پر سارا زور صرف کیا ہے، ایسی کوششوں کو تفسیر کے زمرے میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ

اسے صرف ونحو اور بلاغت وفصاحت کی ایک کامیاب کوشش قرار دیا جائے گا۔

دوسرے یہ کہ قرآن کی تفسیر اس انداز سے کی جائے کہ گویا امت مسلمہ کے تمام افراد پر قرآن کریم کا سمجھ کر پڑھنا فرض ہے، ایک مفسر اس انداز سے قرآن کو پیش کرے کہ اس کی غرض وغایت اور اس کے مطلوبہ اقدار واحکام کی طرف انسانی ذہن مڑتا چلا جائے اور اس پر ثابت قدم رہنے کا جذبہ پیدا ہو۔ تفسیر اس انداز سے کی جائے کہ اس کا کتاب ہدایت ورحمت ہونے کا مقصد پورا ہو رہا ہو۔[۸]

اسی مقدمہ میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آیا ہے کہ صرف قرآن ایسی کتاب ہے جو امتِ مسلمہ کے تمام اختلافات کو مٹا کر اسے وحدت کے شیرازے میں پرو سکتی ہے۔ دین اسلام کی بقاء اسی سے عبارت ہے۔ قرآن کریم کی تعلیمات کو عربی زبان کے بغیر اچھی طرح سمجھنا دشوار ہے۔ چناں چہ عربوں کے دوش بدوش عجم کے علماء نے بھی عربی زبان کے ارتقاء واستحکام کے باب میں عظیم خدمات انجام دیں ہیں۔ کسی زبان کا زوال دراصل اصحاب زبان کے زوال کے مترادف ہے۔ زبان کی وحدت وحدت ملت کی ضمانت ہے۔ جب تک عربی زبان زندہ تھی اس وقت تک دین اسلام اور علوم دونوں اوج کمال پر فائز تھے۔ تحفظ زبان عربی پر گفتگو کرتے ہوئے قومیت پر شدید نکتہ چینی کی گئی ہے۔ اسلام میں داخل ہونے والا ہر شخص امت مسلمہ کا فرد ہے۔ اسلام میں نسلی عصبیت کی کوئی جگہ نہیں۔

عربی زبان کے تحفظ وبقاء پر گفتگو کرتے ہوئے محمد عبدہٗ کہتے ہیں کہ عجمیت کے بعض علم برداروں کا خیال ہے کہ وہ اپنی زبان میں قرآن کا ترجمہ کر کے عربی زبان سے بے نیاز ہو جائیں گے کیوں کہ دین اسلام کسی زبان کا محتاج نہیں، عربی زبان کی عداوت میں وہ یہاں تک بڑھ گئے کہ اذان، خطبہ اور نماز بھی اپنی زبان میں ادا کرنے کی کوشش کی گئی، جب کہ ملت اسلامیہ کے اجتماعی تعامل سے مترشح ہے کہ دین اسلام کے تمام شعائر اسی زبان عربی کے توسط سے ہی ادا ہوتے رہے ہیں۔ چناں چہ بہت سے ممالک مثلاً جاوا وغیرہ میں جب علماء اسلام کی کمی ہوئی اور امت مسلمہ کے اندر ایسی شخصیات ناپید ہو گئیں جو

اسلام پر عائد کردہ الزامات کا جواب دے سکتیں تو امت کے اندر ارتداد کی لہر دوڑ گئی۔ اور عیسائیت کے مبلغین نے قرآن کریم کے باب میں طرح طرح کے شبہات پیدا کیے اور اسے ہدف تنقید بنایا، عربی زبان سے لاتعلقی کی وجہ سے فتنۂ ارتداد اور دین اسلام کے خلاف طوفان کا روکنا دشوار ہوگیا ہے۔ عبدہٗ نے بار بار تفکر فی القرآن کی تاکید کی ہے۔ اسی کے ذریعہ ان آیات کے حقایق کی دریافت ممکن ہے جن کا تعلق صلوٰۃ واذکار سے ہے۔ اسی کے ذریعہ اس پر عمل کا حق ادا ہوسکتا ہے۔ تفکر فی القرآن کے لیے صرف فصیح عربی زبان ہی مدد ومعاون بن سکتی ہے۔ اس لیے اس زبان پر قدرت حاصل کرنا دین اسلام کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ مذکورہ سطور کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ فہم قرآن کی شرائط میں سے ایک ضروری شرط عربی زبان پر قدرت حاصل کرنا ہے۔۹

نظم قرآن

مقدمہ میں فہم قرآن کی جن شرائط کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ ان تمام شرائط کو تفسیر المنار میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کے بہت سے امتیازات مقدمہ میں نہیں آسکے ہیں۔ بہر کیف ان تمام پہلوؤں کو مثالوں کے ساتھ قارئین کے سامنے لانے کی کوشش کی جائے گی۔ سب سے پہلے اس تفسیر کی اس خصوصیت سے بحث کی جائے گی کہ سورہ کی تفسیر سے قبل سورتوں کے موضوعات ومضامین پر روشنی ڈالی گئی ہے مثلاً سورہ فاتحہ کے مضامین کے متعلق بتایا گیا کہ اس میں پانچ چیزوں کو ایجاز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے (۱) توحید (۲) انذار و تبشیر (۳) عبادت خداوندی (۴) دنیا اور آخرت میں حصول سعادت کا طریقہ (۵) اللہ کے نیک اور باغی بندوں کا ذکر، ۱۰ انہی پانچ مضامین پر یہ سورہ مشتمل ہے۔ سورہ اخلاص کے متعلق بتایا گیا کہ یہ تین مضامین کا احاطہ کرتی ہے۔ اور انہی تینوں چیزوں پر رسالت کی بنیاد ہے۔ ایک توحید، دوسرے شریعت اور تیسرے بعث بعد الموت کے احوال وکوائف۔۱۱

تفسیر المنار میں سورتوں کی ترتیب کے متعلق بتایا گیا کہ یہ ترتیب سورتوں کے حجم کے پیش نظر نہیں ہے بلکہ اس کا اصل سبب سورتوں کے درمیان تناسب ہے۔ اسی طرح

مکی و مدنی سورتوں کا بھی ترتیب سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ سورہ فاتحہ کی سورہ بقرہ اور پورے قرآن کریم سے کیا مناسبت ہے اس پر بڑی مدلل بحث کی گئی ہے۔[۱۲] اسی طرح سورہ اعراف اور سورہ انعام کی ترتیب پر روشنی ڈالتے ہوئے دونوں کی باہمی مناسبت کو واضح کیا گیا ہے۔ سورہ اعراف میں اصول وعقائد اور کلیات دین کو اجمال کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اور اسی چیز کو سورہ انعام میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ان دونوں سورتوں میں تدریج کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔[۱۳]

سورتوں کی ترتیب کے ساتھ اس تفسیر کا ایک بنیادی وصف یہ بھی ہے کہ ربطِ آیات پر کافی زور دیا گیا ہے۔ تفسیر آیات کے باب میں اصل اہمیت ربطِ آیات اور نظم قرآن کی ہے نہ کہ اسبابِ نزول کی، شیخ محمد عبدہ کا خیال ہے کہ سیاق وسباق کے بغیر مفاہیم آیات تک رسائی ممکن نہیں، شان نزول پر حد درجہ توجہ کی وجہ سے کلام الٰہی کا نظم باہمی اور ترابط کا فہم مشکل ہو جاتا ہے کیوں کہ ہر آیت کا اپنا ایک شان نزول ہے، شان نزول کا لحاظ کیا جاتا تو قرآن کریم کی موجودہ ترتیب کچھ اور ہوتی، لیکن درحقیقت قرآن کریم کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے، اس لیے کسی آیت کو بھی اس کی مناسب جگہ سے ہٹا کر یا مقدم ومؤخر کر کے نہیں رکھا جاسکتا، قرآن کریم شاعری کا مجموعہ نہیں ہے کہ ضرورت شعری کی بنیاد پر تقدیم وتاخیر کو روا رکھا جائے۔ بلکہ یہ کلام الٰہی ہے اور سراسر توقیفی ہے۔[۱۴] کسی ایک آیت کے اپنی جگہ سے ہٹانے سے پورا قرآن نظام درہم برہم ہو جائے گا۔[۱۵] آیت "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" کی تفسیر بیان کرنے سے قبل فرماتے ہیں۔

"ذهب الذين ينظرون من القرآن في جمله وآياته مفككة منفصلا بعضها عن بعض، التماساً لسبب النزول في كل آية او جملة او كلمة ولاينظرون اليه في سياق جمله وكمال نظمه".[۱۶]

جن لوگوں نے ہر آیت، ہر جملہ اور ہر کلمہ کا شان نزول تلاش کرنے میں خود کو کھپایا، انہی لوگوں نے قرآنی جملوں اور آیات کو الگ الگ یعنی ایک آیت کو دوسری آیت سے جدا کر کے اس پر غور کیا، انھوں نے آیات کریمہ کے سیاق وسباق اور نظم قرآن کی روشنی میں قرآن کریم پر غور وخوض نہیں کیا۔

تفسیر آیات بالآیات

تفسیر المنار کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تفسیر آیات بالآیات کا اس میں پورا خیال رکھا گیا ہے۔ اور اولین اہمیت اسی نقطۂ نظر کو دی گئی ہے۔ تصریف آیات اور "القرآن یفسر بعضه بعضا" کا مفہوم بھی یہی ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت (۲۱) "یاایها الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم" کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے جن چیزوں کی ہدایت کی ہے ان پر غور کرنا دراصل قرآن کریم پر غور کرنے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات کے اسرار و رموز پر تفکر کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم أفلا تبصرون" (الذاریات: ۲۰-۲۱)
زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے اور خود تمہارے اپنے وجود میں ہیں، کیا تم کو سوجھتا نہیں۔

اسی پہلو کی طرف ایک دوسرے انداز میں یوں ارشاد الٰہی ہے:

"قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة الذین من قبل". (الروم: ۴۲)
ان سے کہو ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو پچھلے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔

کائنات پر غور وخوض سے متعلق بے شمار آیات ہیں۔ اسی طرح جن آیات کریمہ میں صلوٰۃ کا ذکر ہے۔ ان آیات کریمہ کی دوسری آیات کریمہ سے بڑے دل نشین انداز میں تفسیر و توضیح کی گئی ہے۔ مثلاً "الاستعانة بالصلوٰة" پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں نماز حصول مراد کا ایک مؤثر ذریعہ ہے اور اس کی وجہ سے انسانی نفس میں قربِ الٰہی کا جذبہ فروغ پاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ نماز نفس امارہ کے لیے دشوار ترین ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وانها لکبیرة الا علی الخاشعین" (البقرة: ۴۵)
اور بے شک نماز ایک سخت مشکل کام ہے۔ مگر ان لوگوں کے لیے جو ڈرنے والے ہیں۔

چناں چہ اللہ کے باغی بندوں کے لیے یہ گراں باری کا سبب بن جاتی ہے، جیسا

کہ ارشاد ہے:

"کبر علی المشرکین ماتدعوھم الیہ" (الشوری: ۱۳)	یہی بات مشرکین پر سخت ناگوار ہوتی ہے جس کی طرف (اے نبی) تم انھیں دعوت دے رہے ہو۔

لیکن اللہ کا ذکر خفی کرنے والوں، خشوع خضوع اختیار کرنے والوں اور اللہ کے حضور راتوں کو قیام کرنے والوں کے لیے یہی فرحت قلب اور طمانیت نفس کا باعث بن جاتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"ان الانسان خلق ھلوعا اذامسہ الشر جزوعا واذا مسہ الخیر منوعا الا المصلین" (المعارج: ۱۹-۲۲)	انسان تھڑ دلا پیدا کیا گیا ہے، جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔ اور جب اسے خوش حالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ مگر (وہ لوگ اس عیب سے بچے ہوئے ہیں) جو نماز پڑھتے ہیں۔

نماز کی بے شمار خصوصیات ہیں، نماز بندے کو صابر و ثابت قدم اور فیاض و سخی بناتی ہے، نماز برائیوں سے روکتی اور بھلائیوں کی طرف راغب کرتی ہے، نمازی بندہ ہی خدا کا حقیقی فرماں بردار ہے، وہ خواہشات کی پیروی کر کے حق سے منحرف نہیں ہوتا، عوارض و موانع کے وقت اس پر خوف وہراس طاری نہیں ہوتا۔ اللہ کے نیک بندوں کی نمازیں ایسی ہی ہوتی ہیں اور اسی لیے اللہ نے ان کے لیے اعلان کر دیا ہے۔ [۱۸]

"قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ". (المومنون: ۱)	یقیناً ایمان لانے والوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

حدیث سے استفادہ

تفسیر المنار میں حدیث سے بھی کافی استفادہ کیا گیا ہے، لیکن اس سلسلہ میں اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ تفسیری روایات کا ایک معتد بہ حصہ غیر معتبر ہے، چناں چہ اصحاب کہف، ارم ذات العماد، سحر بابل، عوج ابن عنق، امور غیب مثلاً وقوع

قیامت اور قیامت کے وقت اور اس کے بعد کیا مسائل ہوں گے۔ ان تمام مسئلوں سے متعلق بے شمار ایسی روایات تفسیری ذخیرے میں راہ پا گئی ہیں جن کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی لیے شیخ محمد عبدہٗ کا کہنا کہ تفسیر، غزوات اور سرایا سے متعلقہ روایات کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور ان کی اسناد کی قدر و قیمت پر جس طرح کتابیں ترتیب دی گئی ہیں اسی طرح روایات مفیدہ کو ایک مستقل کتاب میں قلم بند کرنے کی ضرورت ہے تا کہ صحیح روایات کو تفسیر آیات کے لیے اسی طرح استعمال کیا جا سکے، جس طرح کہ کتب فقہ میں حدیث سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ [۱۹]

عبدہٗ نے حدیث کے مقام و مرتبہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً "الاھلۃ" کے متعلق دو روایتوں کا ذکر کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ تک پہونچتے ہیں کہ ابن عباس کی روایت ضعیف ہے اور اسی طرح ابو صالح سے کلبی کی روایت بھی حد درجہ کمزور ہے۔ [۲۰]

مختصر یہ ہے کہ اس تفسیر میں احادیث سے استفادہ ان پر غور و خوض کے بعد کیا گیا ہے، لیکن احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ اس تفسیر میں موجود ہے مثلاً آغاز تفسیر ہی میں بسملہ کی بحث میں کئی روایات کا ذکر موجود ہے۔ [۲۱] لیکن ان کے خیال میں روایات کا ایک دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ کہیں کہیں فہم قرآن کے باب میں یہی حجاب ثابت ہوتی ہیں۔ [۲۲]

اسرائیلیات

تفسیر المنار میں بار بار اسرائیلیات پر تنقید کی گئی ہے، اسرائیلی روایات اور کتب تاریخ سے مفسرین نے بغیر کسی تنقیح و تحقیق کے استفادہ کیا ہے، مختلف زبانوں کی تفاسیر میں اسرائیلیات کے تعلق سے لایعنی مباحث کثرت سے موجود ہیں، سر سید احمد خاں [۲۳] اور مولانا حمید الدین فراہی [۲۴] نے اس کے غلط نتائج سے آگاہ کیا ہے۔ [۲۵] شیخ محمد عبدہ کا خیال ہے کہ قصص القرآن کے باب میں ان چیزوں پر زیادہ اعتماد کیا گیا ہے حالاں کہ ان موضوعات کے بارے میں تورات، انجیل اور اہل کتاب وغیرہ کی دیگر معتبر کتابوں کو مرجع کی حیثیت دی جانی چاہیے۔ [۲۶]

سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کی بزدلی اور شکست خوردہ ذہنیت کی عکاسی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ (البقرة: ۲۴۳)

اسرائیلی روایات میں اس آیت سے متعلق خرافات کا ایک انبار موجود ہے مثلاً وہ کون لوگ تھے؟ ان کا کس شہر سے تعلق تھا؟ اور ان کی کیا تعداد تھی؟ ان تمام سوالات کے جوابات اسرائیلی روایات میں موجود ہیں۔ان چیزوں کا قرآن کریم سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہمیں تو صرف اسی چیز سے مطلب ہے جس کا قرآن کریم نے ذکر کیا ہے۔[۲۷] اسی طرح آدم وحوا سے متعلقہ بہت سے مباحث کا تعلق اسرائیلیات باطلہ سے ہے۔ قصص القرآن کے حوالے سے اسرائیلی روایات پر تفسیر المنار میں نہایت قیمتی بحث کی گئی اور یہ بات صاف صاف انداز میں واضح کردی گئی ہے کہ تفسیر قرآن اور تاریخ اسلام کے باب میں ان روایات کی کوئی حیثیت نہیں ہے عبدہٗ تحریر فرماتے ہیں:

"فعلينا ان نجزم بان ما اوحاه الله الى نبيه ونقل الينا بالتواتر الصحيح وهو الحق وخبره الصادق وما خالفه هو الباطل، وناقله مخطئ وكاذب فلا نعده شبهة على القرآن ولاتكلف انفسنا الجواب عنه فان حال التاريخ قبل الاسلام كانت مشتبهة الاعلام حالكة الظلام، فلا رواية يوثق بها للمعرفة التامة بسيرة رجال سندها ولا تواتر يعتد به بالاولى".[۲۸]

اللہ نے جن چیزوں کو اپنے نبی پر بذریعہ وحی اتارا اور تواتر صحیح کے توسط سے ہم تک پہنچایا وہ قطعی طور سے ہمارے نزدیک سچ ہیں اور جو چیز اس کے برعکس ہے وہ باطل ہے اور اس کا راوی غلط اور جھوٹا ہے، اسے ہم قرآن پر کسی شبہ کے ضمن میں درخور اعتنا نہیں سمجھیں گے اور نہ اس کا جواب دینا ضروری خیال کریں گے، قبل اسلام کی تاریخ تاریکی میں ڈوبی ہوئی اور غیر یقینی ہے۔ان روایات کے راویوں کے توسط سے کوئی حتمی فیصلہ ممکن نہیں۔اور نہ ہی اس میں ایسا تواتر ہے جو اپنی پہلی کڑی سے ملتا ہو۔

مفردات

اس تفسیر میں مفردات پر خاصی توجہ مرکوز کی گئی ہے اور سچ یہ ہے کہ اگر مفرد الفاظ کے معانی ومفاہیم واضح نہ ہوں تو قرآنی آیات کی صحیح تفسیر ممکن نہیں ہے، مفردات کے معانی کا تفسیر قرآن میں غیر معمولی کردار ہے، یہی وجہ ہے کہ مفردات پر بے شمار تصانیف منظر عام پر آئیں۔ مثال کے طور پر تفسیر المنار سے چند مفردات کے مباحث سے یہاں تعرض کیا جائے گا۔ اس ضمن میں لفظ ''اللـه'' پر جامع گفتگو کی گئی ہے۔ اس لفظ کو واجب الوجود کا علم قرار دیا گیا ہے، اس کی اصل ''الـہ'' ہے، اس کی ہمزہ کو حذف کر کے لام داخل کر دیا گیا ہے۔ یہ صرف ''اللـه'' کے لیے مخصوص ہے، یہ صرف آسمانوں، زمین اور ہر شی کے خالق کے لیے مخصوص ہے۔ اس پر الف لام داخل کرنے کا مطلب یہی ہے کہ یہ لفظ صرف بلند ترین ذات واحد کے لیے مختص ہے۔ جس طرح ''الـنـجـم'' کوئی اور ستارہ نہیں صرف ''ثریا'' مراد ہے، چناں چہ دورِ جاہلیت میں جب بھی یہ سوال اٹھایا گیا کہ خالق السموت والارض کون ہے تو بغیر کسی تردد کے جواب یہی ملا کہ ''اللـه'' اور جب ان کے معبودان باطل میں سے کسی کے متعلق مثلاً لات وعزی کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا انھوں نے اشیاء کائنات میں سے کسی شی کو پیدا کیا ہے تو انھوں نے صریحاً نفی میں جواب دیا۔ قرآن کریم نے ان کے اسی اعتقاد کو ان کے خلاف بطور حجت پیش کیا، کفار و مشرکین اپنے معبودان باطل کو اللہ تک رسائی کا ذریعہ تصور کرتے تھے اور ان کا یہ بھی خیال تھا کہ یہ اللہ کے یہاں ان کی شفاعت کریں گے۔ ارشاد باری ہے:

"وما ظلمنا هم ولكن ظلموا انفسهم فما اغنت عنهم آلهتهم التي يدعون من دون الله من شيئ لما جاء أمر ربك وما زادو هم غير تتبيب" (هود: ۱۰۱/۱۱)	اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ انھوں نے آپ ہی اپنے اوپر ستم ڈھایا، اور جب اللہ کا حکم آ گیا، تو ان کے وہ معبود جنھیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے، ان کے کچھ کام نہ آ سکے، اور انھوں نے ہلاکت وبربادی کے سوا، انھیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

لفظ ''اللہ'' چوں کہ موصوف ہے، اس لیے قرآن کریم نے اس کے متعدد اسماء حسنیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''ولله الاسماء الحسنى فادعوه بها وذروا الذين يلحدون في أسمائه''. (الاعراف:۷/۱۸۰)

اور اللہ اچھے ناموں کا مستحق ہے، اس کو اچھے ہی ناموں سے پکارو۔ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو، جو اس کے نام رکھنے میں راستی سے منحرف ہو جاتے ہیں۔

انہی صفات سے اللہ کے مقام و مرتبہ کا تعین ہوتا ہے اور اسی کو تمام کارسازیوں کا مصدر و منبع قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے:

''ان رحمة الله قريب من المحسنين'' (الاعراف:۷/۵۶)

یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔

اللہ کے اسماء حسنیٰ خالق کائنات کی ذات اور صفات دونوں پر دال ہیں اور یہ صفتیں خداوند قدوس کے ساتھ جزء لاینفک کے مانند ہیں اور اس میں التزام و مداومت ہے، مثلاً صفت رحمٰن اس کے انعامات واکرامات، صفت حکیم اس کے مکمل علم اور کارسازیوں اور صفت رب سے روز حشر اور یوم جزاء کی طرف اشارہ ہے۔ (کیوں کہ اس کی ربوبیت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ بندوں کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے) مختصر یہ ہے کہ اسماء حسنیٰ اور اس کی اعلیٰ صفات کی معرفت سے اللہ کی حقیقی تصویر سامنے آجاتی ہے اور ان صفات کے برعکس چیزوں سے اس کی ذاتِ گرامی منزہ ہے۔۲۹

لفظ ''قرية'' کے متعلق کہتے ہیں کہ سورہ بقرہ کی آیت ۵۸ میں اس سے شہر مراد ہے۔ یہ دراصل لوگوں کے مجتمع ہونے کی جگہ کا نام ہے اور اس سے چیونٹیوں کا وہ مسکن بھی مراد ہے جو اپنی رہائش کے لیے تعمیر کرتی ہیں۔ لفظ قریہ کا مادہ اجتماع اور ٹھہراؤ پر دلالت کرتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔

''قريت الماء في الحوض اذا جمعته''

یہ لفظ اصلاً اس قوم کے لیے مستعمل ہے جو کسی مقام پر اکٹھا ہو۔ آگے چل کر اس

کا استعمال بکثرت قصبات کے لیے ہونے لگا۔ لیکن یہاں آیت میں کوئی چھوٹا قصبہ مراد نہیں ہے، کیوں کہ انسانی زندگی کی تمام سہولیات صرف کسی بڑے اور ترقی یافتہ شہر ہی میں مل سکتی ہیں۔ ۳۰

لفظ "الصابئون" کے متعلق تفسیر المنار میں وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا کہ یہ نصاریٰ کی ایک جماعت تھی، کیوں کہ ان کے بہت سے عقائد واعمال سے ہم آہنگ ہیں مثلاً اعتراف اور یوم السبت کی تعظیم وغیرہ۔ مختلف شواہد سے متبادر ہے کہ احکام صابئین احکام نصاری سے متشابہ ہیں۔ لیکن ان کے احکام میں حد درجہ آمیزش ہو چکی ہے اور اصل دین سے کافی ہٹ چکے ہیں، ستاروں کے اثرات کا یقین رکھتے تھے اور بدعات وخرافات کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، نصاریٰ کی مسیحیت کی روح ان کے اندر کارفرما تھی۔

"صابئة" کے متعلق ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ ایک علاحدہ قوم تھی اور متعدد مشہور انبیاء کرام پر ایمان رکھتی تھی، لیکن رفتہ رفتہ توحید پرست عربوں کے مانند وہ بھی بہت سے غلط عقائد کا شکار ہو گئے تھے، لیکن ان کا دین ومذہب عربوں سے مختلف تھا، البتہ اگر وہ عربوں سے قریب تھے اس لیے لازماً ان سے اخذ وتاثر کا سلسلہ قائم رہا ہوگا۔ ۳۱

کلام عرب

مفردات کی تہہ تک پہنچنے کا ایک بنیادی ذریعہ کلام عرب ہے۔ تفسیر المنار میں کلام عرب کا استعمال دو طرح سے ہوا ہے۔ ایک تو صرف تائید کے طور پر اور دوسرے مفردات کی کنہ تک رسائی کے لیے بطورِ استشہاد کلام عرب کا استعمال ہوا ہے۔ یہاں پر صرف بطورِ استشہاد واستدلال ہونے والے اشعار سے بحث کی جائے گی۔ لفظ آیت کے اشتقاق پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"دراصل یہ مشتق ہے 'تأیّ' سے، جس کا مفہوم کسی خاص چیز پر قیام اور ٹھہراؤ ہے، بلکہ اس کا حقیقی مفہوم کسی چیز کی ذات کا قصد کرنا ہے۔ ۳۲ جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

تتايا الطير غدوته ثقة بالشبع من جزره ۳۳

قرآنی صبر کے مفہوم و معنی پر روشنی ڈالتے ہوئے استاذ امام شیخ محمد عبدہٗ کہتے ہیں کہ ناپسندیدہ اور غیر مرغوب راستوں پر نفس کو ڈالنے کا نام صبر ہے۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ناخوش گوار افعال و اعمال کے لیے بخوشی خود کو آمادہ کرنے کا نام ہے صبر، اسی مفہوم کو شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے۔ ۳۴

صبـرت لا والـلـه مالی طاقة　　　　علی الصبر لکنی صبرت علی الرغم

سورہ بقرہ کی آیت ”وَمِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَایَعْلَمُوْنَ الْکِتَابَ اِلَّااَمَانِیَّ“ (۷۸) میں آئے ہوئے لفظ ”امانی“ پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”تمنی“ پڑھنے کے مفہوم میں بھی مستعمل ہے۔ ۳۵ بقول شاعر:

تـمـنـی کتـاب اللـه أول لیلة　　　　تـمـنـی داؤد الـزبور علی رسل

سورہ بقرہ کی آیت ”اُوْلٰئِکَ مَایَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّاالنَّارُ“ (البقرۃ:۱۷۴)

یہاں پر اللہ کے باغیوں کا پیٹ میں آگ بھرنے سے مراد ان کے وہ اعمال اور ان کی وہ سیئات ہیں جو ان کے جہنم میں جانے کا سبب بنتی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں واضح طور پر موجود ہے کہ یہ لوگ جہنم میں آگ کھائیں گے یا ضریع (سوکھی گھاس) اور زقوم (تھوہر) سے اپنا پیٹ بھریں گے، کھانے سے لطف اندوز ہونے کی تعبیر عام ہے، آیت میں پیٹ کے ذکر سے ایک خاص نکتہ مقصود ہے، پیٹ میں کھانے کا مطلب پیٹ بھرنا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس نے پیٹ بھرے بغیر کھانا کھایا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی اشتہا پوری نہ ہوئی اور آگ سے پیٹ بھرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ جس کی تصویر حدیث میں یوں ہے۔

ولا یـمـلأ جـوف ابـن آدم الا التراب“. ۳۶　　　　اور بنی نوع انسان کے پیٹ کو صرف مٹی بھر سکتی ہے۔

اسی مفہوم کو عذاب کی بنا پر آگ کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ۳۷ جیسا کہ ایک شاعر اپنی بیوی کے متعلق کہتا ہے:

دمشق خـذیهـا لا تفتک فلیلة　　　　تـمـر یـعـودی نعشها لیلة القدر

اکلت دما ان لم ارعک بضرة   بعیدة مهوی القرط طیبة النشر

حجر اسود کے تعلق سے حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ پتھر دیگر پتھروں کی طرح ہے۔ خانہ کعبہ کے استقبال کے وقت اس کو چھونا یا بوسہ دینا محض امر تعبدی ہے۔ خانہ کعبہ کی جانب متوجہ ہونے کا مفہوم اس ذات الٰہی کی طرف توجہ دینا ہے جسے کسی مقام یا گوشے میں قید نہیں کیا جاسکتا، یہ بات عام ہے کہ بہت سے گھروں، مراکز، یادگار چیزوں اور مناظر سے لوگوں کا قلبی تعلق رہا ہے، اس کے پیچھے احباب کی محبتیں یا عظیم شخصیات کی قدر و منزلت کارفرما ہوتی ہے۔ ۳۸؎ شاعر کا قول ہے:

أمر علی الدیار ، دیار لیلی   أقبل ذاالجدار و ذاالجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی   ولکن حب من سکن الدیار

ادبی مباحث

تفسیر المنار کی ایک بنیادی شناخت یہ بھی ہے کہ اس میں قرآن کریم کے ادبی اور بلاغی پہلوؤں کی نشاندہی جابجا کی گئی ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرآن کریم ادب کا ایک عظیم شاہ کار ہے، عرب کے بڑے بڑے شعراء، بلغاء وفصحاء اس کے سامنے گونگے بن گئے اور اس کلام کی عظمت کے قائل ہوگئے۔ قرآن کریم کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک آیت میں ادبی محاسن نمایاں ہیں۔ دشمنان اسلام قرآن کریم کی ادبیت کے منکر ہیں۔ ایک مستشرق کا خیال ہے کہ سورہ فاتحہ ادبی وبلاغی محاسن سے عاری ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ''یوم الدین'' کی جگہ ''الدیان'' مناسب ہے، عبدہٗ کا خیال ہے کہ یہ لفظ کبھی وہ مفہوم ادا نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس کا قائم مقام ہوسکتا ہے۔ چناں چہ اس لفظ کے مطلوبہ تقاضے ''الدیان'' سے پورے نہیں ہوسکتے۔ الدیان دراصل قاضی، حساب کرنے والے، محاسب اور ظالم کو کہا جاتا ہے، اس کا جو نتیجہ منظر عام پر آتا ہے وہ یہ ہے کہ رب ایک حاکم ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ بندوں کے اعمال کے مطابق جزاء اور سزا دے گا۔ جب کہ ''یوم الدین'' سے ایک خاص دن مراد ہے جس کی ہولناکی قرآن کریم میں

مذکور ہے۔ اللہ اس دن تمام مخلوقات کا محاسبہ کرنے کے بعد ان کے مابین فیصلہ کر کے انھیں جزا و سزا سے نوازے گا۔ اور اس دن پر ایمان لانا ارکان اسلام میں داخل ہے۔ اس دن تمام معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہوں گے اور کوئی کسی کو ذرہ برابر نقصان اور فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اس عقیدے سے نفس انسانی پر زبردست اثرات مرتب ہوتے ہیں، توحید کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں، نیک عمل کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور اسی دن کے سبب برائیوں سے اجتناب کا جذبہ قوی تر ہوتا ہے۔ لیکن ''الدیان'' کا کلمہ ان تمام خوبیوں سے عاری ہے۔ کاش کہ مستشرقین اور عیسائی مبلغین "الدین" کی بلاغی خوبیوں سے واقف ہوتے۔ ۳۹

اسی طرح بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ "الصراط المستقیم" کی جگہ " صراط الایمان " کہا جانا چاہیے۔ صراط مستقیم کی جامعیت اور وسعت پر گفتگو کرتے ہوئے صراحت کرتے ہیں کہ یہ خوبیاں اور بلاغت کی گہرائیاں صراط الایمان میں موجود نہیں ہیں۔ صراط مستقیم میں ایمان، اسلام، احسان، عقائد، عبادات اور آداب وغیرہ شامل ہیں۔ یہ راہ تمام گمراہیوں سے پاک ہے۔ اور اس پر چل کر منزل مقصود تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ۴۰

قرآن کریم کی بلاغت پر روشنی ڈالتے ہوئے عبدہٗ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کریم ہی کی بلاغت ہے کہ بیک وقت مختلف مسائل اور متعدد چیزوں کو ایک ہی موضوع کے تحت نہایت سلیقے سے ایک ہی دھاگے میں پرو دیا جاتا ہے۔ کلام الٰہی کے امتیازات اور خصوصیات اتنے اور ایسے ہیں جن کا صدور کسی انسان سے ممکن نہیں ۴۱

تفسیر المنار میں اسالیب کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ قرآنی قصص کے متعلق یہ بات عام ہے کہ ان میں تاریخی تسلسل نہیں پایا جاتا ہے، اور نہ ہی واقعات کی کڑیاں کتابوں کے طرز پر قلم بند کی گئی ہیں، قرآنی قصوں کی تصویر کشی اس انداز سے کی گئی ہے کہ دلوں پر اس کا اثر ہو۔ اندر سے تدبر کا داعیہ پیدا ہو اور عبرت و نصیحت کے لیے اندر سے تحریک ہو۔ ۴۲

سورہ بقرہ کی آیت " ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ

او اشد قسوة وان من الحجارة لما يتفجر منه الانهار وان منها لما يشقق فيخرج منه الماء وان منها لما يهبط من خشية الله وما الله بغافل عما تعملون" (بقرة:۷۴) کو ادب کی ایک غیر معمولی تصویر قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کی معنوی اور ادبی خوبیوں پر اس طرح تبصرہ کیا ہے:

"ان هذه الحجارة على صلابتها وقسوتها تتأثر بالماء الرقيق اللطيف فيشقها وينفذ منها بقلة أو كثرة، فيحى الأرض وينفع النبات والحيوان وأما هذه القلوب فلم تعد تتأثر بالحكم والنذر ولا بالعظات والعبر، فالحكم لاتقوى على شقها والنفوذ منها الى اعماق الوجدان وانوار الفطرة قد انطفأت فيها فلا يظهر شعاعها على انسان ومن الحجارة مايشقه الماء القليل كماء العيون الينا بيع الحجرية ومنها مالا يفجره الاالماء القوى الغمر الذى يسمى نهرا". ۴۳

پتھر اپنی شدت وصلابت کے باوجود ماء رقیق سے متاثر ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے پھاڑ ڈالتا ہے۔ اور کم اور زیادہ مقدار میں باہر نکل آتا ہے چناں چہ پانی زمین کو زندگی بخشتا اور نباتات وحیوانات کے لیے نفع بخش ہوتا ہے۔ لیکن یہ دل حکمتوں، ڈراؤں اور نصیحتوں وعبرتوں سے نہیں پگھلتا ہے، چناں چہ حکمتیں اور اس سے گزر کر وجدان کی گہرائیوں اور فطرت کے انوار تک پہنچنے سے قاصر ہیں، ان کے اندر یہ روشنی دراصل بجھ چکی ہے جس کی وجہ سے انسان پر اس کا پرتو نہیں پڑتا۔ بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں جنھیں تھوڑا پانی بھی پھاڑ دیتا ہے جیسے عام چشموں اور پہاڑی چشموں کا پانی البتہ بعض ایسے ہوتے ہیں جن کو زیادہ پانی کی طاقتور لہر ہی پھاڑ سکتی جسے ندی کہا جاتا ہے۔

دعوتی انداز

تفسیر المنار میں دعوتی پہلو بہت ابھرا ہوا ہے عبدہٗ کا خیال ہے کہ قرآن کریم در

اصل ہدایت کی کتاب ہے، اس لیے قرآن کی تفسیر اس نہج پر کی جانی چاہیے کہ اس کے اس خصوصی پہلو کا حق پورا پورا ادا ہو جائے، ایسا نہ ہو کہ قرآن کریم کو ایک فلسفہ کی کتاب بنا کر پیش کیا جائے۔ اس تفسیر کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں ملت اسلامیہ کو تمسک بالکتاب کے لیے ہر ممکن طور پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور انھیں اسلام کے رنگ میں رنگنے اور اس کے مطالبات سے ہم آہنگ ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ عبدہٗ چوں کہ ایک مصلح تھے اس لیے ان کے اصلاحی کوششوں کی جھلک اس تفسیر میں صاف طور سے نظر آتی ہے۔ تفسیر قرآن کے مقصد عظیم کو ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں:

"والتفسير الذی نطلبه هو فهم الكتاب من حيث هو دين يرشد الناس الى ما فيه سعادتهم فی حياتهم الدينا وحياتهم الآخرة فان هذا هو المقصد الاعلىٰ منه وما وراء هذا من المباحث تابع له واداه وسيلة لتحصيله". ۴۴

اور تفسیر قرآن سے ہمارا مقصد فہم قرآن ہے۔ تفسیر جس سے یہ بات ابھر کر سامنے آئے کہ وہ ایک ایسا دین ہے جو بنی نوع انسان کی دنیاوی اور دینی سعادت کا ضامن ہے۔ اور تفسیر قرآن سے ہمیں یہی مقصد اعلیٰ مطلوب ہے۔ اور باقی تمام مباحث اسی کے تابع ہیں اور اسی مقصد حقیقی کے حصول کے ذرائع ہیں۔

رشید رضا اپنے استاذ گرامی کے متعلق رقم طراز ہیں کہ وہ اپنے درس میں انذار و تبشیر اور ہدایت واصلاح سے متعلقہ آیات کریمہ پر غیر معمولی توجہ فرماتے، دیگر مسائل ان کے درس میں اس کے بعد شامل ہوتے۔ ۴۵ اپنی اسی تحریک اصلاح کے پیش نظر وہ جامعہ ازہر کے طلبہ کو ابھارتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو فہم قرآن کے لیے وقف کر دیں اور خود کو ہدایت قرآنی کی راہ پر گامزن کر دیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قرآن کریم کی پوری تصویر اور تعلیم نظروں کے سامنے ہوگی۔ جس کی طرف محسن انسانیت نے یوں اشارہ کیا۔

"ادبنی ربی فاحسن تادیبی".

میرے پروردگار نے میری بہترین تربیت فرمائی۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم سے صحیح وابستگی کے بعد عصر حاضر میں امت

اسلامیہ کے تمام امراض، ان کے درمیان رائج بدعات وخرافات اور ان کے اندر در آنے والی عصبیتوں کا مکمل سد باب اور اصلاح ہو جائے گی۔ قرآن کریم کی لذت سے آشنائی کے بعد انسانی نظر میں تمام کتابیں اور علوم بے حیثیت نظر آنے لگتے ہیں اور فہم قرآن سے حاصل ہونے والی ہدایات اس کی زندگی کے لیے صیقل کا کام کرتی ہیں اور مکروہات دنیا سے اس کے دل میں ایک نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم سے دوری دراصل اللہ سے دوری کا نام ہے۔۴۶ **"وذلک هو الضلال البعيد"**۔

شیخ نے کفر کی اقسام پر بڑی مدلل گفتگو کی ہے اور اس میں دعوتی پہلو غالب ہے۔ کفر کی ایک قسم حق سے چشم پوشی ہے۔ یہ مرض بہت عام ہے اور بہت سے صاحب ایمان لوگوں کے دلوں میں بھی یہ اپنی جگہ بنا لیتا ہے۔ کفر کے مرض کی ایک تاثیر یہ ہے کہ اس سے دل مردہ اور وجدان زنگ آلود ہو جاتا ہے، اسے لذت حق کا ادراک نہیں ہو سکتا اور وہ حق سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس مریض کا دل اس قید سے رہائی نہیں پا سکتا۔ اس کی وجہ سے اس کی قوت فہم کو گھن لگ جاتا ہے۔ اسے ہلاکت وتباہی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، اسے حق پرست اور داعی کی آواز سنائی ہی نہیں دیتی، حق کا مذاق اڑانا اس کا شیوہ بن چکا ہوتا ہے۔ عبدہ نے ایسے انسانوں کو جانوروں کے زمرے میں شمار کیا ہے۔۴۷

تفسیر المنار کے صفحات اس طرح کے مباحث سے بھرے ہوئے ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ تذکیر وتعلیم اس تفسیر کا بنیادی موضوع ہے تو شاید نامناسب نہ ہوگا "**ادخلو في السلم كافة**" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے عبدہٗ کا دعوتی اور اصلاحی انداز پورے شباب پر ہے۔ عبدہٗ کا خیال ہے کہ ایسے علماء کرام بے شمار ہیں جنھوں نے عبرت آمیز آیات کریمہ کی تفسیر کو رشد و ہدایت کا نمونہ بنا کر پیش کیا ہے۔ اگر امت مسلمہ ان کے خیالات ونظریات کی اتباع کرتی تو اسے صراط مستقیم پر استقامت کی دولت نصیب ہوتی اور وہ اختلافات کے اندھیروں سے نکل کر وحدت ویگانگت کی منزل پر چل پڑتی۔۴۷ الف

امت نے قرآن کریم کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے اس پر شیخ عبدہٗ نے بڑی دل سوزی سے تبصرہ کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ امت نے قرآن کریم کو پس پشت ڈال کر

صرف ان چند سورتوں تک خود کو محصور کرلیا ہے، جو محفلوں میں ترنم سے پڑھی جاتی ہیں۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو دین اسلام کی روح ختم کردی گئی اور اس کی ظاہری صورت سے خود کو وابستہ کرلیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند رسوم و روایات کا نام دین پڑ گیا اور عوام نے انہی رسومات کو مضبوطی سے پکڑ لیا ہے۔ جہاں تک امراء اور سلاطین کا تعلق ہے تو ان کو تو بس ایک ہی فکر رہتی ہے کہ کس طرح عوام کو اپنا فرماں بردار بنایا جائے۔ انھوں نے دین کو ایک سیاسی حربہ اور عوام کو غلام بنانے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب عزیز کی طرف بلانے والوں سے وہ برسر پیکار ہیں اور رسومات کے حامل علماء کی مدد سے اپنی جاہ و مرتبت کی حفاظت اور معیشت کے استحکام میں سرگرم رہتے ہیں اور ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ عوام کی توجہ کتاب الٰہی پر مرتکز نہ ہوسکے ایسا ہوا تو ان کی ریاست و مملکت کی بنیادیں ڈھ جائیں گی۔ ۴۸

عبدہٗ کی دعوت اصلاح کا ایک بنیادی نکتہ یہ بھی رہا کہ بدعات و خرافات پر سخت تنقید کی گئی۔ اس سلسلے کی طویل بحثیں المنار میں موجود ہیں۔ اللہ کی ربوبیت پر المنار میں بڑی قابل قدر بحث کی گئی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ مخلوقات کا خالق ہے۔ وہی اس کا رب اور تمام امور کا کارساز ہے۔ چناں چہ سب سے بڑی ناشکری اور کفران نعمت یہ ہے اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کی جائے۔ جب کہ انسان کے تحت الشعور میں ایک اللہ کا تصور جاگزیں ہے۔ اب ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر نذرانوں کے تعلق سے معبودان باطل کی قربت حاصل کرنا، ان کے لیے چڑھاوے چڑھانا یا انسان وحیوان کے مجسمے یا کسی شخص کی قبر کو بوسہ دینا یا اسکا طواف کرنا حق ربوبیت کی صریح خلاف ورزی ہے۔ ۴۹

بدعات ہی کے حوالے سے مزید وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث سے ہٹ کر کسی حکم اور عقیدے کو دینی رنگ دینا اللہ پر بہتان تراشی کے مترادف ہے۔ چناں چہ قبروں کی زیارت اور وہاں پر دین کے نام پر بدعات و منکرات کا انجام دینا یا جنازہ کے پیچھے قصیدۂ بردہ یا اور کچھ ترنم سے پڑھنا بدعات میں شامل ہے۔ اسی طرح میت کے ساتھ بخوردان اور جھنڈا لے کر چلنا بھی بدعت ہے۔ ۵۰

معاشرتی مسئلہ

بیسوی صدی کی تفاسیر میں المنار اس حیثیت سے انفرادیت کی حامل ہے کہ اس میں بے شمار معاصر مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ملت کی زبوں حالی، عرب کے انتشار وافتراق اور بے شمار معاشرتی خرابیوں پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ عبدہٗ کا احساس تھا کہ صرف قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں ایک باشعور اور صحت مند سوسائٹی قائم کی جاسکتی ہے اور یہی کتاب ملت اسلامیہ کے تمام اختلافات کو دور کر کے اسے ایک شیرازے میں پرو سکتی ہے۔ اس تفسیر میں ازدواجی، تعلیمی، سیاسی، اور عائلی امور سے متعلق پر حکمت گفتگو کی گئی ہے۔ اسی طرح مصری جن مختلف دینی ومعاشرتی برائیوں میں ملوث تھے ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مثلاً شراب کے کیا کیا نقصانات ہیں؟ عصر حاضر میں جدید طب نے اس کے کن مضر اثرات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چالیس سالہ شراب پینے والا نوجوان جسمانی اور عقلی اعتبار سے ساٹھ سالہ بڈھا نظر آنے لگتا ہے۔ اور جگر وگردے بھی شراب نوشی سے متاثر ہوتے ہیں۔ مزید براں دیگر غذاؤں کی طرح شراب خون میں تبدیل نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے دوران خون میں اضافہ ہوتا ہے اور اعضاء جسمانی ضعف وتعطل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کے اثرات آنے والی نسل پر بھی پڑتے ہیں اور شرابی کی اولاد میں نجابت مفقود ہوتی ہے، جسمانی اور عقلی اعتبار سے کمزور ہوتا ہے۔ یہی چیز آگے چل کر انقطاع نسل کا سبب ثابت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے معاشرتی معاملات میں طرح طرح کی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ باہمی رشتے کمزور پڑ جاتے ہیں۔[۱۵]

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

”انما یرید الشیطان أن یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر“. (المائدۃ: ۹۱)	شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے۔

شراب نوشی کی وبا نے کس طرح مصر کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے اس کی

تصویر کشی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"فان انواع الخمر كثرت فيها ومنها ما هو غالي الثمن جدا ثم ان المتجرين بها كثيرا ما يقرنون بينها وبين القيادة الى الزنا، وفي مصر القاهرة بيوت للفسق تجمع بين الخمر والنساء والراقصات والمغنيات و يدخلها الرجال زرافات وافذاذا ويتبادون ثم في النفقة حتى ليخسر الرجل في ليلته المئين والالوف". ۵۲

شراب کی مختلف اقسام ہیں۔ان میں سے بعض بہت مہنگی ہیں،شراب کے بیشتر تاجر شراب کے ساتھ زنا کو جوڑ دیتے ہیں،مصر قاہرہ میں جو فسق وفجور کے اڈے ہیں۔ ان گھروں میں شراب،عورتوں،رقاصاؤں، گانے والیوں کا اجتماع ہوتا ہے،عوام ان میں ٹولیوں میں یا تنہا جاتے ہیں اور روپے لٹاتے ہیں۔ ہر شخص دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ آدمی ایک رات میں ہزاروں بلکہ لاکھوں خسارے سے دوچار ہوتا ہے۔

اسی طرح قمار بازی کے نقصانات پر اس تفسیر میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے مصر اس مرض میں کس حد تک مبتلا ہے، اس کا بھی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے محمد عبدہٗ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے تربیت نفس متاثر ہوتی ہے۔قمار باز سہل انگاری اور کاہلی میں گرفتار ہو جاتا ہے، اور غلط طریقوں سے رزق کے حصول کا منتظر رہتا ہے۔حصول رزق کے فطری طریقوں کو ترک کرنے کی وجہ سے اس کی قوت فہم وتمیز مردہ ہو جاتی ہے۔وہ زراعت وتجارت اور صنعت وحرفت کے پیشوں سے چشم پوشی کرتا ہے،اس کے نقصانات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ دفعۃً ثروت مندی افلاس میں تبدیل ہو جاتی ہے، بے شمار ایسے خاندان ہیں کہ جنھوں نے آنکھیں نہایت خوش گوار اور خوش حال ماحول میں کھولیں ،لیکن اس خاندان کی ثروت اگر ایک ایسے شخص پر منحصر ہے جو ایک رات میں کبھی اسے فقیر اور کبھی اسے امیر دونوں بنا سکتا ہے۔تو اس خاندان کے اختیار میں یہ ہرگز نہیں کہ اپنی سابقہ صورتحال پر قائم رہے۔۵۳

شیخ محمد عبدہٗ نے امت مسلمہ کے ثروت مند حضرات پر زور دیا ہے کہ وہ امت کی

ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے سخاوت اور فیاضی سے کام لیں، آیت "**ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو**" (البقرۃ:۲۱۹) پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کے علاوہ صدقات وخیرات کا اطلاق ''عفو'' پر ہوگا۔ زکوٰۃ کے علاوہ کسی شخص یا عام معاشرتی ضروریات پر جو کچھ صرف کیا جائے اسے عفو قرار دیں گے۔ ایک مالدار شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت مسلمہ کے مفادات اور اس کے ذریعہ برپا کی جانے والی تحریکوں میں پورا حصہ لے۔ اگر کوئی قوم اپنے مفادات اور اپنی ضروریات سے غفلت برتتی ہے تو وہ کمزوریوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ پہلی قسم کی امت اپنے ہر فرد کا خیال رکھتی ہے اور فرد اپنی قوم کی آواز پر لبیک کہنے کے لیے تیار رہتا ہے جب کہ دوسری قسم سے تعلق رکھنے والا اپنی قوم سے اور فرد سے غافل رہتا ہے۔ عفو کے حوالے سے عبدہٗ کا خیال ہے کہ قومی مسائل مثلاً مساکین، غرباء اور حاجت مند لوگوں کی ضروریات سے لاتعلقی کا ثبوت نہ دیا جائے، اور اس کے ذریعہ امت کے سب سے اہم مسائل تعلیم وتربیت ہیں، اسے خوب سے خوب تر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔[۵۴]

عبدہٗ "**ویسئلونک عن الیتامی**" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ یتیموں کی تعلیم وتربیت کا پورا پورا نظم ونسق ہو۔ ان کی جائداد کی ترقی کا خیال رکھا جائے۔ اور غفلت ولاپرواہی کے سبب ایسا نہ ہو کہ وہ اخلاقی دیوالیہ پن کے شکار ہو جائیں، بلکہ ان پر اس قدر توجہ ہو کہ وہ دنیا میں ایک ماڈل کی شکل اختیار کر جائیں اور آخرت میں بہترین کامیابی کے سزاوار بن سکیں۔[۵۵]

فقہی مسائل

استاذ اور شاگرد دونوں کو خداوند قدوس نے غیر معمولی اجتہادی صلاحیت سے نوازا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر میں احکام قرآنی پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ فقہی مسائل میں مسلکی جانب داری کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، تمام تر ترجیحات قرآن کریم اور احادیث کی حاصل ہیں۔

حرم کے علاقے میں جنگ کی کیا نوعیت ہے؟ سورہ بقرہ کی آیت ''الشھر الحرام بالشھر الحرام والحرمات قصاص فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل مااعتدی علیکم''. (بقرہ:۱۹۴) پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر مشرکین حرم کے علاقے اور حرم کے مہینے میں برسرِ پیکار ہوں تو ان سے قرآن کریم نے جنگ کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ آیت نہ تو منسوخ ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ناسخ ہے، یہ حکم تا ابد باقی رہے گا۔ آیت برأت سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔ بلکہ بذات خود یہ ایک مستقل حکم ہے اس لیے اسے الگ کرکے دیکھنا مناسب نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے، اس میں عمومی طور سے جنگ کا حکم موجود ہے۔ ۵۶

موسم حج میں حجاج کا کسب رزق کے لیے تگ ودو کرنا فقہاء کرام کے نزدیک مختلف فیہ رہا ہے۔ صدر اسلام میں بہت سے مشرکین اور مسلمین تجارتی سرگرمیوں کو گناہ سے تعبیر کرتے تھے اور اپنی دکانوں کو بند کردیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے صراحت کی کہ خلوص کے ساتھ حصول رزق میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ کیوں کہ آیت کریمہ ''لیس علیکم جناح أن تبتغوا فضلا من ربکم'' (البقرۃ:۱۹۸) میں ''من ربکم'' سے یہ پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے کہ فضل خداوندی کا حصول عبادت میں شامل ہے۔ اسی تناظر میں ایک سائل کے جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

''هل كنا نعيش الا بالتجارة''. ۵۷ کیا ہماری زندگی کا مدار تجارت کے علاوہ کسی اور چیز پر تھا

سورہ بقرہ کی آیت ''الطلاق مرتان فامساک بمعروف أو تسریح باحسان'' (البقرۃ:۲۲۹) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ طلاق رجعی ہی قرآن کریم کی رو سے طلاق کا اسلامی طریقہ ہے اور ''مرتان'' ہی دراصل اسلامی عدد ہے۔ طلاق بائن کا کتاب اللہ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ فقہا اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ تین یا تین

سے زائد بار طلاق کی تکرار کا ثبوت نہ تو مذکورہ آیت سے ہے اور نہ ہی قرآن کریم کی کسی اور آیت سے۔ ۵۸؎

حلالہ کے مسئلہ پر تفسیر میں بحث کی گئی ہے، مفسرین اور فقہا کی آراء نقل کی گئی ہیں، رشید رضا نے اس پر تنقید کرتے ہوئے حلالہ کے بارے میں محمد عبدہٗ کے خیالات کو اس طرح بیان کیا ہے:

"ان نکاح التحليل شر من نكاح المتعة اشد فسادا وعاراً". ۵۹؎	بے شک حلالہ نکاح متعہ سے بڑا شر ہے اور اس کی وجہ سے غیر معمولی بگاڑ و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مذکورہ چند فقہی آراء تفسیر المنار سے پیش کی گئی ہیں۔ جب کہ بے شمار مسائل میں عبدہٗ نے اپنے خیالات بیان کیے ہیں۔ ان خیالات کا تجزیہ کیا جائے تو عبدہٗ کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ مسلکی تشدد سے دور اور اسلامی فقہ کے قائل تھے اور اجتہاد کو اساسی اہمیت دینے کے حامی تھے۔

جدید علوم

تفسیر المنار کو دیگر تفاسیر میں امتیازی حیثیت حاصل ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ آیات کریمہ کی تفسیر و توضیح میں جدید علوم اور سائنس سے استفادہ کیا گیا ہے، عبدہٗ کا احساس تھا کہ عصر حاضر کی علمی ترقیات کا تقاضا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر اس انداز سے کی جائے کہ نئی نسل اس سے ذہنی تسکین حاصل کر سکے، عبدہٗ جدید اور نئی نسل کے احساسات سے بخوبی واقف تھے۔ اعجاز القرآن پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن کریم کے علمی، سائنسی اور تاریخی پہلوؤں پر عبدہٗ نے عالمانہ انداز اختیار کیا ہے۔ یہ وہ نکات ہیں جو نزول قرآن کے وقت مستور تھے، لیکن زمانے کی رفتار ترقی کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے محققین، سائنس داں، تاریخ بنی نوع انسان اور کائنات کے مختلف مراحل کے ماہرین قرآن کریم کے اس اعجاز سے کسی قدر واقفیت فراہم کرنے میں کامیاب ہوسکے ہیں۔ اس میں کلام

نہیں کہ سائنس کائنات کے جن بے شمار مخفی گوشوں کا پتہ آج تک لگا سکی ہے قرآن کریم نے اس کی طرف بہت پہلے اشارہ کردیا تھا۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے۔" وارسلنا الریاح لواقح" (الحجر:۲۲) (اور ہم ہواؤں کو بارآور ہوکر چلاتے ہیں) یہاں ان ٹھنڈی ہواؤں کی تاثیر کا ذکر کیا جارہا ہے جو بادلوں میں جاکر باران رحمت کا سبب بنتی ہیں۔ اسی طرح آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک استاذ کا خیال ہے کہ تیرہ سو سال قبل کے عرب درختوں کی پیوند کاری اور قلم کاری سے واقف تھے۔ اسی طرح وہ یہ بھی جانتے تھے کہ نر کھجور کا مادہ کھجور کے شگوفہ میں ڈالنے سے پیداوار بڑھ جاتی ہے اور یہ عمل ہواؤں کے ذریعہ بھی انجام پاتا تھا، لیکن عرب میں اس سے ناواقف تھے۔ مفسرین نے اس آیت کا مفہوم سمجھنے کی وجہ سے اسے اعجاز پر محمول کیا ہے۔

اسی سلسلے کی ایک آیت "اولم یر الذین کفروا ان السمٰوات والارض کانتا رتقاً ففتقناھما وجعلنامن الماء کل شئ حی افلا یومنون" (الانبیاء:۳۰) (کیا کفار اس بات پر توجہ نہیں دیتے کہ یہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انھیں جدا کردیا اور تمام جاندار چیزوں کو ہم نے پانی سے بنایا؟ تو کیا (پھر بھی) وہ ایمان نہیں لائیں گے) کیا اللہ کی نشانیوں کے منکرین کو یہ پتہ نہیں کہ آسمانوں اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے اور پھر انھیں اللہ نے جدا کرکے اسی مادے سے ان اجرام سماویہ کو پیدا کیا جو لوگوں پر سایہ فگن ہیں اور یہ زمین انھیں اٹھائے ہوئے ہے اور اسی مادہ کی طرف آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے:

"ثم استوی إلیٰ السماء وھی دخان فقال لھا وللارض إئتیا طوعا أو کرھا قالتا أتینا طائعین" (حم السجدہ:۴۱/۱۱)

پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا۔ اس نے آسمان اور زمین سے کہا تم ہمارے احکام کی تعمیل کرو، خواہ تم چاہو یا نہ چاہو، دونوں نے کہا ہم آ گئے فرماں برداروں کی طرح۔

اعجاز قرآن کریم کے اس پہلو سے نہ تو عرب اور نہ ہی کوئی اور قوم واقف تھی اسی طرح قرآن کریم نے یہ انکشاف کیا کہ "ومن کل شیئی خلقنا زوجین"۔ (الذاریات:۴۹) (اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں) دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے "ومن کل الثمرات جعل فیھا زوجین اثنین" (الرعد:۳)

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام نباتات میں اللہ کی یہ سنت کارفرما ہے۔۶۰ اللہ کی یہ سنت ہوا کے ذریعہ انجام پاتی ہے جو ذکور سے مادے کو اناث تک پہنچاتی ہے۔ اس طرح کی متعدد محیر العقول آیات کریمہ قرآن کریم میں موجود ہیں۔۶۱

اس موضوع سے متعلق آیات نقل کرتے ہوئے وضاحت کی گئی ہے کہ بے شمار آیات کریمہ میں ایسے موضوعات زیر بحث آئے جن کا علم اس سے پہلے نہیں تھا اور اب سائنسی اکتشافات سے ان کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اس تفسیر میں عصری صورت حال کی قابل قدر نمائندگی کی گئی ہے۔ مثلاً آیت کریمہ "یکور اللیل علی النھار ویکور النھار علی اللیل" (الزمر:۳۹) میں لفظ تکویر آیا ہے۔ تکویر کا مفہوم عربوں کے نزدیک سر پر عمامہ گھمانے اور لپیٹنے کا ہے۔ تکویر میں مبالغہ کا مفہوم شامل ہے۔ اس کا لغوی مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو جسم متدیر کے آس پاس گھمایا جائے۔ اس طرح "تکویر اللیل علی النھار" کا مفہوم ہے کہ کرۂ ارض کی حرکت کی وجہ سے اختلاف لیل و نہار کا سلسلہ جاری ہے۔ جس کی حقیقت سے جغرافیہ کے ماہرین بخوبی واقف ہیں۔ اسی مفہوم کو ایک جگہ قرآن میں یوں ادا کیا گیا ہے:

"یغشی اللیل النھار یطلبہ حثیثا" (الاعراف:۵۴) جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے، اور پھر دن رات کا سرگرمی سے پیچھا کرتا ہے۔

شیخ محمد عبدہٗ نے تفسیر المنار میں اس پہلو پر بار بار زور دیا ہے کہ قرآن کریم کے مطالعہ کرنے والوں کے لیے لازمی ہے کہ کائنات کے ان اسرار و رموز تک رسائی کے لیے عقل و شعور کا استعمال کریں۔ قرآن کریم میں ذہن انسانی کو اس طرف توجہ دلانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، تخلیق کائنات کا یہ ایک نمایاں پہلو ہے کہ تمام اشیاء بنی نوع انسان کی

خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو دین اسلام کو بنی نوع انسان کی تعمیر وترقی میں خصوصی دل چسپی ہے۔ اہل کتاب کی رسومات اور نظریۂ کائنات کا جائزہ لینے سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک عقل اور دین کے مابین گہری خلیج حائل ہے، اور ان کا یہ بھی نقطۂ نظر ہے کہ علم اور دین دونوں دو چیزیں ہیں، دونوں میں کوئی تطابق نہیں ہے۔ مذکورہ تمام خیالات کا قرآن کریم سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ نقطۂ نظر یکسر نا قابل قبول ہے۔[۶۲]

ملت اسلامیہ

اس تفسیر کا ایک بنیادی نکتہ یہ بھی ہے کہ عربوں کے ساتھ ساتھ دنیا کے تمام مسلمانوں کے مسائل پر توجہ مرکوز کی گئی ہے اور ملت اسلامیہ کی باہمی ناچاقی، منافرت اور انتشار پر سخت تنقید کی گئی ہے۔ انھیں اپنی تہذیب اور اپنی تاریخ کی طرف پلٹنے کی دعوت دی گئی ہے۔

اس ضمن میں شیخ محمد عبدہٗ کا کہنا ہے:

"ومن اشتغل بهذا حق الاشتغال وصل الى معرفة أمراض المسلمين الحاضرة ومنابع البدع التى فشت فيهم ومثارات الفتن التى فرقتهم". [۶۳]

جوئی بھی قرآن کریم سے اس طرح دلچسپی لے گا جو اس کا حق ہے۔ وہ موجودہ ملت اسلامیہ کے امراض، ان کے اندر پھیلی ہوئی بدعات کے سوتوں، اور ان فتنوں کی وجوہات سے پوری طرح آگاہ ہوجائے گا جس نے ملت اسلامیہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کردیا۔

اسی پہلو کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ملت اسلامیہ کے پاس دین اسلام کی وہ دولت ہے کہ جس کی پاسداری کے سبب مسلمان تمام دنیا کے فاتح بن گئے، دنیا کی ترقی یافتہ قوموں میں انھیں شمار کیا گیا، جب کہ کل تک یہی قوم حقیر نظروں سے دیکھی جاتی تھی۔ اہلِ عجم اسلامی فتوحات میں عدل وانصاف کا مشاہدہ کرنے کے بعد اسلام

کی برکات اور اس کی امتیازی خصوصیات سے روشناس ہوئے اسی بنیاد پر دولت اسلام سے فیض یاب ہوئے اور عربی زبان سے واقفیت کے بعد قرآن کریم کی رفعتوں سے روشناس ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قوم کو دنیا کی بہترین قوم بنا کر پیش کیا۔۶۴ لیکن ادھر کچھ ایسے دشمنان ملت ہیں جو اس کے باہمی معاملات، اجتماعی مفادات اور آپسی اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر دینا چاہتے ہیں، انہی دشمنوں نے ان کے باہمی روابط کے تمام راستے مسدود کر دیے ہیں، ان کی ہر ممکن کوشش ہے کہ اس قوم کی عالمی اجتماعی حیثیت کو پاش پاش کر دیں۔ اور بلادِ اسلامیہ کے شہریوں کے دل میں وطنیت کا بیج بو دیں، اپنے اس مقصد میں انھیں خاطر خواہ کامیابی تو نہ ملی، لیکن مصر پر اس کے حد درجہ غلط اثرات ضرور مرتب ہوئے۔۶۵

ملت اسلامیہ کا شیرازہ اس لیے منتشر ہے کہ امت مسلمہ اور قرآن کریم کے درمیان دوری پیدا ہوگئی ہے۔ اسی رکاوٹ نے انھیں "حبل من اللہ" سے محروم کر دیا ہے، قرآن کریم کی تعلیمات اور تقاضوں سے باخبر مومن دین اسلام کی تاریخ اور اصحاب رسول ﷺ کی عظمتوں سے واقف ہوتا ہے۔ لیکن ایک عامی اور تقلید کی زنجیر میں جکڑے ہوئے مومن کے لیے ان کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا نہایت دشوار ہے۔۶۶ عبدہٗ کے خیال میں امت مسلمہ کے درمیان ان تمام خرابیوں اور بدعات و رسومات کے پھیلنے کا اصل سبب وہ حجاب ہے جو امت اور قرآن کریم کے درمیان حائل ہے، اسی کی وجہ سے غلط عقائد عام ہوئے اور قوم ایک بہت بڑے مرض وطنیت و قومیت کا شکار ہوگئی اور اس کا دینی شعور حد درجہ کمزور ہوگیا۔۶۷ عبدہٗ نے اپنی تفسیر میں ایک طرف شدت کے ساتھ اگر قرآن کریم کی طرف دعوت دی ہے تو وہیں سختی کے ساتھ وطنیت اور قومیت کو ہدف تنقید بنایا، انگریزوں کے خلاف تند لب و لہجہ اختیار کیا، جس نے ملت اسلامیہ اور عربوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں۔ شیخ محمد عبدہٗ نے امت مسلمہ کی وحدت کو کس قدر خوبصورت انداز میں قلم بند کیا ہے۔

"ان ھذہ الامة واحدة واختلف دیارھا وتعددت اجناسھا ولا یمکن ان تعرف حقیقتھا الا بعد معرفة تاریخھا الماضی فلا بد من تتبع السواقی والجداول الی الینبوع الاول الذی ھو الاصل". ۶۸

امت مسلمہ اپنے تمام تر علاقائی اور نسلی اختلافات کے باوجود ایک اکائی ہے، اس کے امتیاز و تشخص کی معرفت اس کی ماضی کی تاریخ کے بغیر ممکن نہیں، یہ معاملہ بالکلیہ ویسا ہی ہے کہ دریاؤں اور سمندروں کے حقایق کی تلاش وتتبع کرنے والوں کے لیے لازمی ہے کہ چشمہ اولی کا پتہ لگائیں کیوں کہ یہی اصل ہے۔

اس تفسیر میں یہ بات باربار دہرائی گئی ہے کہ رجوع الی القرآن سے ملت اسلامیہ کے اختلافات دور ہوں گے، بدعات اور اوہام وخرافات سے نجات ملے گی۔ اور قومیت و وطنیت کے شرور وفتن سے اہلِ ایمان محفوظ رہیں گے، لیکن افسوس کہ امت مسلمہ آج جہالت کے بدترین دور سے گزر رہی ہے، وہ اللہ کی قدرتِ کاملہ سے غافل ہے، قوم کا ہر فرد صبح وشام تلاوتِ قرآن میں مصروف ہے لیکن ان کے دلوں میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی، نہ ہی انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، جب کہ قرآن کریم کے اثرات کے متعلق کہا گیا ہے:

"لوانزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعامن خشیة اللہ" (الحشر:۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اسے اللہ کے خوف سے جھک کر پاش پاش ہوتا ضرور دیکھتے۔

اس تفسیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ملت اسلامیہ کو بیدار کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے اور مختلف انداز میں قرآنی تعلیمات کو اپنانے کی تاکید کی گئی ہے۔

جن اور ملائکہ

تفسیر المنار میں جن ۶۹ اور ملائکہ ۷۰ پر بھی اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا

گیا کہ دونوں میں ایسی کوئی بنیادی چیز نہیں پائی جاتی جس کی بنیاد پر دونوں کے مابین حد فاصل قائم کی جا سکے، صرف دونوں کی کارکردگی کی بناء پر دونوں کو دو خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ آیات کریمہ میں یہ صراحت موجود ہے، اس لیے جن کو ملائکہ ہی کی ایک صنف قرار دیا جائے گا، قرآن کریم میں ''الجنة'' کا اطلاق ملائکہ پر ہوا ہے۔

''وجعلو بينه وبين الجنة نسبا'' اور انھوں نے خدا اور جنوں کے درمیان بھی رشتہ جوڑ رکھا ہے۔ ۷۰ الف (الصافات:۱۵۸)

اور اسی لفظ کا اطلاق سورہ الناس میں شیاطین پر بھی ہوا ہے۔ جن کے متعلق عبدہٗ کا خیال ہے کہ جن ہماری نظروں سے مستور ہیں، لیکن انسانی اذہان وقلوب ان کے اثرات محسوس کرتے ہیں۔ ہر فرد کے پیچھے ایک شیطان چھپا ہوا ہے۔ جو اسے مستقل شر و فساد پر اکساتا رہتا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے گندے خیالات اور وسوسے انسان کے اندر پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

ملائکہ کی ایک خاص تعریف جو جمہور مفسرین اور عام مسلم محققین کے یہاں پائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ ملائکہ دراصل ایک خاص روح کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہر شی کے اندر ڈال رکھا ہے، اسی روح کے توسط سے یہ نظام کائنات جاری وساری ہے، اشیاء کائنات میں اسی القاء روح کو شریعت کی زبان میں ملائکہ کہا گیا ہے۔ اہل ایمان کے نزدیک ارواح کا وجود ممکن ہے لیکن اس کی حقیقت سے وہ واقف نہیں۔ اور غیر اہلِ ایمان نے اسی چیز کو ایک طاقت سے تعبیر کیا ہے، لیکن اس کی حقیقت سے وہ بھی ناآشنا ہیں۔ لیکن اس کا اعتراف سبھی کرتے ہیں کہ نظام کائنات کے ماوراء ضرور ایسے عوامل ومحرکات ہیں جو انسانی قوت مشاہدہ اور قوت ادراک سے بالاتر ہیں۔ ملائکہ کی اسی تعریف کی تائید وتوثیق میں شیخ محمد عبدہٗ نے تفصیلی بحث کی ہے۔ اور ان لوگوں پر اظہار افسوس کیا ہے جنھوں نے مفہوم حیات کو صرف اپنی ذات یا حیوانات تک محدود کر کے رکھ دیا ہے۔ بلکہ غور کیا جائے تو دنیا میں اور بھی بہت سے ایسے سلسلے ہیں جن کا

ڈانڈا حیات ہی سے استوار ہے، لیکن اسے کسی مخصوص تعریف میں مقید کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی اس کی کارفرمائی سے انکار ممکن ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"تسبح لـه السموت السبع والارض ومن فیهن وان من شئ الا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون تسبیحهم". (الاسراء:۴۴)

ساتوں آسمان اوران میں جو موجودات ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ثناء میں تسبیح نہ کرتی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

یہ بات مخفی نہیں کہ یہ اللہ کے فرشتے زمین وآسمان میں موجود ہیں لیکن یہ چیز پردہ خفا میں ہے کہ وہ زمین میں کہاں سکونت پذیر ہیں؟ کیا ان کی رہائش گاہوں کی حدبندی یانشاندہی کی جاسکتی ہے؟ کیا اس کا علم ہمیں ہے کہ ہمارے دائیں اور بائیں کاندھوں پر فرشتے کہاں بیٹھے ہوئے ہیں؟ کیا اس کا مشاہدہ کیا گیا کہ ان کے نورانی اجسام نے تمہاری ظلمتوں کو منکشف کردیا؟ یا تمہارے ذہنی اضطرابات کو کافور کردیا ہو یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات ممکن نہیں۔

رشید رضا کے خیال میں ان کے استاد نے ملائکہ کے سلسلہ میں ان خیالات کے اظہار کی ضرورت اس لیے محسوس کی کہ تخلیق کائنات کے ماہرین کے اس خیال کی توضیح وتشریح کرسکیں جسے انھوں نے اپنی زبان میں ''قوی'' سے تعبیر کیا ہے، اور اسی شئ کو علماء اسلام ملائکہ کا نام دیتے ہیں۔ متقدمین اور متاخرین کی نظر میں دنیا کے تمام تغیرات وتطورات مادی اجزاء کی دین نہیں بلکہ اس کے ماوراء کچھ مخفی اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ تمام حوادث روزگار رونما ہوتے ہیں۔ جب کہ علماء اسلام کا خیال ہے کہ دنیا کے تمام امور من جانب اللہ فرشتوں کے ذریعہ انجام دیے جاتے ہیں۔ اے

مختصر یہ ہے کہ یہ تفسیر اس لیے تحریر نہیں کی گئی تھی کہ اسی طرز پر چلتے ہوئے ایک اور تفسیر کا اضافہ کردیا جائے۔ اس کا بنیادی مقصد صرف رجوع الی القرآن ہے۔ اپنے اس

احساس کی ترجمانی عبدہٗ نے اس طرح کی ہے:

"ان اللـه تعـالیٰ لایسئلنا یوم القیامة عن اقوال الناس وما فهموه وانما یسئلنا عن کتابه الذی انزله لارشادنا وهدایتنا وعن سنة نبینا الذی بین ما نزل الینا یسألنا هل بلغتم الرسالة؟ هل تدبرتم ما بلغتم هل عقلتم ما عنه نهیتم وما به أمرتم". ۲۷

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہم سے لوگوں کے اقوال وخیالات کے متعلق کوئی باز پرس نہیں کرے گا، ہم لوگوں سے صرف اللہ کی اس کتاب کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی جو ہماری رشد وہدایت کے لیے اتاری گئی ہے۔ اور ہمارے نبی کی ان سنتوں کے باب میں سوالات ہوں گے جس میں ہماری طرف نازل ہونے والی کتاب کی تشریح ہے۔ہم سے پوچھا جائے گا کہ تم لوگوں نے پیغام رسالت کو پہنچایا؟ تمہارے پاس جو کچھ آیا تھا کیا تم نے اس پر تدبر وتفکر کیا؟ اور کیا تم لوگوں نے وہ باتیں سمجھ لیں جن سے تم کو روکا گیا اور جن کا تم کو حکم دیا گیا۔

تفردات

اس تفسیر میں بہت سے ایسے خیالات ہیں جو قابل اعتراض اور چونکا دینے والے ہیں، مثلاً اس میں تعدد ازواج کا شدت سے انکار کیا گیا ہے۔ سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۲۹ "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم" سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صدر اسلام میں اس کا جواز صرف اشاعت اسلام کی غرض سے تھا۔ جس کی آج ضرورت نہیں۔ تعدد ازواج کی صورت میں عدل کا امکان نہیں، اس لیے اس کے جواز کا کوئی معنی نہیں بلکہ اس کی وجہ سے بے شمار موروثی مشکلات پیدا ہوں گی اور بہت سے خانگی دشواریوں سے گزرنا پڑے گا۔۳۷ اسی طرح تفسیر سورہ فلق میں آں حضور ﷺ پر سحر کے اثرات سے یکسر انکار کیا گیا ہے اور اس سلسلے کی تمام روایات کو یکسر مسترد کر دیا گیا

ہے۔ان کی رائے میں اس نقطۂ نظر کی تائید صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو مقام نبوت سے بے خبر ہیں، اگر اسے تسلیم کرلیا گیا تو اس کی وجہ سے دین اسلام کی حقانیت، قرآن کریم کی محفوظیت اور آپ ﷺ کی معصومیت پر حرف آئے گا۔۴ے اور اس کی وجہ سے دشمنان اسلام کو دین میں نقص نکالنے کے مواقع ملیں گے۔

اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت ''أو کصیب من السماء فیه ظلمات ورعد وبرق'' (البقرہ:۱۹) پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر سائنس کو سامنے رکھتے ہوئے برق، رعد، صاعقہ اور ان کے اسباب وقوع پر غور کیا جائے تو بہت سے نئے پہلو سامنے آئیں گے، یعنی فضاء میں الیکٹرانک قوت موجود ہے، اسے انسانی ذہن نے ٹیلی گراف، ٹیلی فون اور ٹرانزسٹر کی صورت میں استعمال کیا ہے۔عبدہٗ کا یہ بھی خیال ہے کہ اس آیت میں مثبت اور منفی الیکٹران کا تصور بھی موجود ہے۔۵ے اسی طرح سورہ فیل کی تفسیر میں پرندوں نے جو پتھر اصحاب فیل پر برسائے تھے ان میں ایسے جراثیم موجود تھے کہ اس کے لگتے ہی حملہ آور چیچک اور دیگر وبائی امراض کے شکار ہوگئے،۷ے اسی طرح آیت ''واذا فرقنا بکم البحر واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون''. (البقرۃ:۵) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دریائے نیل کے پھٹ کر راستہ بن جانے کے پیچھے عصائے موسیٰ کا دخل نہیں تھا بلکہ یہ معجزاتی عمل دراصل مدوجزر کی اپنی ایک شکل تھی۔بحر احمر میں جزر کی صورتحال اتنی شدید تھی کہ پانی اس قدر کم ہوگیا کہ ہر شخص کے لیے اس سے نکلنا آسان تھا۔چناں چہ انہی لمحات میں موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ دریا عبور کر گئے اور اسکے بعد مد اتنا زور آور تھا کہ اس نے مصر کے باشندوں کو غرق کردیا۔۸ے اسی طرح سورہ ''الکوثر'' سے بالعموم حوض کوثر مراد لیا جاتا ہے، استاذ امام عبدہٗ کے نزدیک اس سے مراد تمام دنیاوی اور دینی خیر وانعامات ہیں جن سے اللہ کے نیک بندوں کو نوازا جائے گا۔اللہ کی ان نعمتوں کی کثرت کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ۹ے اور اسی کوثر میں ''رسالت'' بھی شامل ہے جو انسانیت کے لیے سب سے بڑا انعام ہے۔۸۰ے مولانا فراہی کے نزدیک ''کوثر'' سے مراد خانہ کعبہ ہے، کیوں کہ خانہ کعبہ کا مسلمانوں کی تحویل میں آنے کا مطلب دنیا کی سب

سے عظیم دولت ان کے حصہ میں آگئی۔ اور اس عظیم نعمت کا تقاضا تھا کہ اس رب ذوالجلال کے حضور سربسجود ہوا جائے اور اس کے لیے قربانی دی جائے۔ ۸۱ے

اس تفسیر کے اور بھی کئی تفردات ہیں۔ اس کا ایک قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اس میں اسباب نزول کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے کیوں کہ اسباب نزول پر غیر معمولی اعتنا سے تفسیر قرآن کا حق ادا نہیں ہوتا۔ اگر اسباب نزول کی اتنی ہی اہمیت ہوتی تو نزولی ترتیب ہی کو ملحوظ رکھا گیا ہوتا، اسباب نزول کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم کی تفسیر کی جائے تو اس کی معنوی وحدت متاثر ہوتی ہے اور ایک منظم ومربوط کتاب ٹکڑوں میں بٹ کر رہ جاتی ہے۔ اسی نکتہ کے پیش نظر بار بار قرآن کی مجموعی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے تفکر وتدبر پر زور دیا گیا ہے۔ ۸۲ے

اپنے اسی خیال کی مزید وضاحت عبدہٗ نے اس طرح کی ہے:

"كل كلمة فی القرآن موضوعة فی موضعها اللائق بها فليس فيه كلمة تقدمت ولا كلمة تأخرت لاجل الفاصلة". ۸۳ے

''قرآن کریم کا ہر لفظ اپنی مناسب جگہ پر فٹ ہے اور فواصل کی بنیاد پر کسی لفظ کو مقدم اور مؤخر نہیں کیا گیا ہے۔ ۸۴ے

مختصر یہ کہ اسبابِ نزول کو بنیاد بناتے ہوئے تفسیر قرآن کی گئی تو یہ تفسیری معنوی خلل کا شکار ہو جائے گی۔

اس تفسیر میں مختلف جگہوں پر صوفیاء کرام اور اولیاء عظام کے مختلف خیالات و کرامات پر تنقید کی گئی ہے۔ ان کے متعلق عوام الناس کی آراء کو بھی نا قابل اعتنا قرار دیا گیا ہے۔ ان کے متعلق شفاعت کا تصور غیر اسلامی ہے اور ان کی قبور کی زیارت کرنا غیر اسلامی عمل ہے۔ ۸۵ے عبدہٗ کا خیال ہے عصر حاضر کے صوفیاء کی وجہ سے تصوف کی اصل تصویر بگڑ گئی۔ ۸۶ے گویا تصوف کا ایک خاص تصور عبدہٗ کے ذہن میں بھی ہے۔ جسے وہ صحیح سمجھتے ہیں جب کہ تصوف کا اسلام سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ صوفیاء کرام نے جس انداز سے قرآن کی تفسیر کی ہے اس پر بھی عبدہٗ نے انگشت نمائی کی ہے، فلسفہ وجودیت کو عبدہٗ نے غیر اسلامی

نظریہ بتلاتے ہوئے اسے ہندو برہمنیت کا شاخسانہ بتایا ہے۔ ۸۷

اس تفسیر کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس میں نماز کی اہمیت وافادیت پر جگہ جگہ اظہار خیال کیا گیا ہے۔ نماز تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کی شاہ کلید ہے، نماز کی پابندی سے انسان کی خوابیدہ صلاحیتیں منظر عام پر آجاتی ہیں۔ یہ وہ ہتھیار ہے جس سے دنیا کی تمام طاقتوں کو زیر کیا جاسکتا ہے۔

"وهی الصلوٰة التی توثق عروة الایمان وتعلی الهمة وترفع النفس بمناجاة الله العلی الکبیر وتؤلف بین القلوب بالاجتماع لها والتعارف فی مساجدها". ۸۸

اور نماز ہی ایمان کی رسی کو مضبوط بناتی ہے۔ بلند ہمت بناتی ہے اور اللہ سے مناجات کے ذریعہ نفس انسانی کو عظمت سے ہم کنار کرتی ہے۔ اور نماز باجماعت کے توسط سے دلوں کے جوڑنے کا کام کرتی ہے۔ اور مساجد میں باہمی تعارف کو فروغ دیتی ہے۔

مذکورہ خصوصیات کے علاوہ یہ ذکر آچکا ہے کہ اس تفسیر میں ملی، معاشرتی، سیاسی عرب دنیا اور بین الاقوامی مسائل پر بھر پور انداز میں توجہ مبذول کی گئی ہے، مستشرقین کی جعل سازیوں اور عیاریوں کی بھی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار اوصاف سے یہ تفسیر متصف ہے، یہ تمام چیزیں قرآن کریم کے دعوتی اسلوب کو ابھارتی ہیں اور اسے رشد و ہدایت کی عظیم کتاب کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں۔ عبدہٗ نے مفسرین کے روایتی انداز سے آگے بڑھ کر فہم قرآن کی راہیں باز کیں اور دنیائے تفسیر میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ اوران کا پختہ یقین تھا کہ:

"انه علی طریقة روحانیة عمرانیة یستدل بها علی ان القرآن فی کل عصر منبع السعادات الدینیة والدنیویة".

حواشی ومراجع

۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ، تفسیر المنار، الہیئۃ المصریۃ العامۃ، ۱۹۷۲ء، ۱/۱۷-۱۸

۲۔ ایضاً، ص ۱۸

۳۔ تفسیر المنار، ۱/۱۸-۱۹

۴۔ ایضاً، ۱/۱۹

۵۔ تفسیر المنار، ۱/۱۸-۱۹

۶۔ لفظ "ہدایت" پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے: الامام عبدالحمید الفراہی، مفردات القرآن، (تحقیق وشرح: الدکتور محمد اجمل الاصلاحی) دار الغرب الاسلامی، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۲۰۰۲ء، ص ۳۲۸-۳۳۰، نیز ملاحظہ کریں: مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، بار اول، دار الاشاعت الاسلامیہ، ۱۹۶۷ء، ۱/۴۳-۴۴

۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر المنار، ۱/۵۲-۵۴

۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر المنار، ص ۱۹-۲۲

۹۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر المنار، ص ۲۴-۲۶

۱۰۔ ایضاً، ۱/۳۰

۱۱۔ تفسیر جزء عم، الاستاذ الامام محمد عبدہ، الطبعۃ الخامسۃ، مطابع الشعب، (بدون تاریخ)، ص ۱۳۴

۱۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے، تفسیر المنار، جلد اول، جزء اول، ۲۴-۳۲

۱۳۔ تفسیر المنار، جلد چہارم، جزء ۸، ۲۶۰

۱۴۔ نظم قرآن پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے: تفسیر المنار، جلد اول، جزء ۲، ۱۰-۱۱

۱۵۔ المعلم عبدالحمید الفراہی، دلائل النظام، الطبعۃ الاولی، الدائرۃ الحمیدیۃ،

۱۳۸۸ھ،ص۲

۱۶۔ تفسیر المنار، جلد اول، جزء۲، ۲۷

۱۷۔ تفسیر المنار، جزء اول، ۱۵۱-۱۵۲

۱۸۔ ایضاً، جزء اول، ۲۵۰

۱۹۔ تفسیر المنار، جزء اول، ۸-۹

۲۰۔ ایضاً، جزء۲، ۱۶۳

۲۱۔ ایضاً، جزء اول، ۲۳

۲۲۔ ایضاً، جزء اول، ۱۰

۲۳۔ سرسید احمد خاں، تفسیر القرآن (مقدمہ)

۲۴۔ علامہ حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن (مقدمہ) دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۰ء، ص۵۴

۲۵۔ دیکھیے، ابوسفیان اصلاحی، سرسید اور فراہی کے تفسیری خیالات، مشمولہ (Contribution of Sir Syed Ahmad Khan to Islamic studies, (edited by Abdul Ali and Sayyid A Ahsan) ادارہ علوم اسلامیہ، (بدون تاریخ) ص۳۱۲-۳۱۴

۲۶۔ تفسیر المنار، جلد اول، جزء۲، ۱۷

۲۷۔ تفسیر المنار، جلد اول، جزء۲، ۳۶۲

۲۸۔ تفسیر المنار، جلد اول، جزء۲، ۲۷۴

۲۹۔ لفظ "اللہ" پر مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر المنار، جلد اول، ۱/ ۳۷-۳۸

۳۰۔ ایضاً، جلد اول، جزء اول، ۲۶۸

۳۱۔ ایضاً، جلد اول، جزء اول، ۲۸۰

۳۲۔ ایضاً، جلد اول، جزء اول، ۲۳۸

۳۳۔ ایضاً، جلد اول، جزء اول، ۲۳۸

۳۴۔ ایضاً، جلد اول، ص ۲۴۸
۳۵۔ ایضاً، جلد اول، جزء اول، ۳۹۸
۳۶۔ صحیح مسلم، باب الزکوۃ
۳۷۔ تفسیر المنار، جلد اول، جزء ۲، ۸۴-۸۵
۳۸۔ ایضاً، جلد اول، جزء اول، ۳۸۴-۳۸۵
۳۹۔ ایضاً، جلد اول، جزء اول، ۶۷
۴۰۔ ایضاً، جلد اول، جزء اول، ۶۸
۴۱۔ ایضاً، جلد اول، جزء اول، ۲۴۰
۴۲۔ ایضاً، جلد اول، اجزء اول، ۲۸
۴۳۔ ایضاً، جلد اول، اجزء اول، ۲۹۲
۴۴۔ ایضاً، جلد اول، جزء اول، ۱۷
۴۵۔ ایضاً، جلد اول، جزء اول، ۱۰
۴۶۔ ایضاً، جلد اول، اجزء اول، ۱۵۲
۴۷۔ ایضاً، جلد اول، جزء اول، ۲۰۵
۴۷۔الف۔حوالہ سابق
۴۹۔ ایضاً، جلد اول، جزء ۲، ۲۱۵
۵۰۔ ایضاً، جلد اول، جزء ۲، ۷۳
۵۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: جلد اول، جزء ۲، ۲۵۹-۲۶۱
۵۲۔ ایضاً، جلد اول، جزء ۲، ۲۶۱
۵۳۔ ایضاً، جلد اول، جزء ۲، ۲۶۳
۵۴۔ ایضاً، جلد اول، جزء ۲، ۲۶۹
۵۵۔ ایضاً، جلد اول، جزء ۲، ۲۷۳
۵۶۔ ایضاً، جلد اول، جزء ۲، ۱۷۳

۵۷۔ ایضاً، جلد اول، جزء۲، ۲۸۵
۵۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے :تفسیر المنار، جلد اول، جزء۲، ۳۰۵-۳۰۶
۵۹۔ ایضاً، جلد اول، جزء۲، ۳۱۲
۶۰۔ وضاحت کے لیے دیکھیے :ایضاً، جلد اول، جزء اول، ۱۷۵-۱۷۶
۶۱۔ اس موضوع سے متعلق متعدد آیات نقل کی گئی ہیں، دیکھیے :تفسیر المنار، جلد اول، جزء اول، جزء ا، ۱۷۵-۱۷۷
۶۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے :تفسیر المنار، جلد اول، جزء اول، ۱۷۵-۱۷۷
۶۳۔ ایضاً، جلد اول، جزء۲، ۱۵۲
۶۴۔ ایضاً، جلد اول، جزء۲، ۲۴
۶۵۔ ایضاً، جلد اول، جزء۲، ۳۴۹-۳۵۰
۶۶۔ ایضاً، جلد اول، جزء۲، ۲۴۱
۶۷۔ ایضاً، جلد اول، جزء۲، ۲۴۲
۶۸۔ ایضاً، جلد اول، جزء۲، ۲۵۸
۶۹۔ سرسید جنوں کو انسانوں سے علاحدہ مخلوق تسلیم نہیں کرتے (وضاحت کے لیے دیکھیے: سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، نول کشور پرنٹنگ ورکس، لاہور (بدون تاریخ)، ۳/ ۵۷-۶۹
۷۰۔ سرسید کا خیال ہے ''غرض کہ تمام قویٰ جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہیں، اور جو مخلوقات میں ہیں وہی ملائک وملائکہ ہیں'' (سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور (بدون تاریخ) ۱/۴۲
۷۰۔الف۔ محمد لقمان سلفی ''الجنۃ'' کے بارے میں لکھتے ہیں ''بہت سے مفسرین نے یہاں ''الجنۃ'' سے مراد فرشتے لیے ہیں اور آیت کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ کفار عرب اللہ اور فرشتوں کے درمیان رشتہ بتاتے ہیں۔ یہ بات اللہ کے خلاف افترا پردازی ہے۔ فرشتے بھی جانتے ہیں کہ جو کفار ایسی بات کہتے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ دیکھیے محمد لقمان السلفی،

تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن، امام ابن تیمیہ پبلی کیشنز، دریا گنج، نئی دہلی، ۱۴۲۲ھ، ۲۰۰۱ء، جزء۲، ۱۲۶۸

۷۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر المنار، جزء اول، ۲۲۱-۲۲۷، لفظ ''جنۃ'' کے لیے ملاحظہ ہو: الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ، تفسیر جزء عم، الطبعۃ الخامسۃ، مطابع الشعب، (بدون تاریخ) ص۱۴۲

۷۲۔ تفسیر المنار، جزء اول، ۲۲-۲۳

۷۳۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: محمد عبدہ، تفسیر القرآن، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۶۷ھ، ۴/۳۶۴-۳۷۰، نیز دیکھیے: الدکتور عثمان امین، رائد الفکر المصری: الامام محمد عبدہ، دار الثقافۃ العربیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۶۵ء، ص۲۲۸-۲۳۳

۷۴۔ الاستاذ الامام محمد عبدہ، تفسیر جزء عم، ص۱۳۸-۱۴۰

۷۵۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر المنار، جلد اول، جزء اول، ۱۴۷-۱۴۹

۷۶۔ عبدہ پتھر برسانے والے پرندوں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ مکھی اور مچھر کی طرح تھے، ان پرندوں کے چونچ اور پنجوں میں پتھر یا کنکریوں کا سمانا ممکن نہیں، مولانا فراہی ان پرندوں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ کافی بڑی اور شکاری چڑیا تھیں۔ اور یہ پرندے پتھر برسانے کے لیے نہیں بلکہ مرداروں کا گوشت کھانے کے لیے بھیجے گئے تھے، دیکھیے: عبد الحمید فراہی تفسیر نظام القرآن، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، ص۳۹۲-۳۹۶۔

۷۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر جزء عم، ص۱۲۰

۷۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر المنار، جلد اول، جزء اول، ۲۶۱-۲۶۳، سرسید کا بھی یہی خیال ہے کہ بحر احمر میں جوار بھاٹے کے سبب موسیٰ علیہ السلام کے متبعین بچ گئے اور لشکر فرعون غرق ہو کر تباہ ہو گیا۔ (سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور، (بدون تاریخ) ۱/۸۲)

۷۹۔ تفسیر جزء عم، ص۱۸۰، نیز مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر المنار،

جلد اول، جزء اول، ۱۸۸-۱۸۹

۸۰۔ محمد عبدہ، رسالۃ التوحید، الطبعۃ الاولی، دار المعارف القاہرۃ، ۱۳۱۵ھ، ص ۱۲۳-۱۳۴

۸۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر نظام القرآن، ص ۴۱۸-۴۲۳

۸۲۔ محمد رشید رضا، تاریخ الاستاذ، الطبعۃ الثانیۃ، مطبعۃ المنار، مصر، ۱۳۴۴ھ، ۲/۶۴۳

۸۳۔ تفسیر المنار، جزء ۲، ۱۱-۱۲

۸۴۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: الدکتور تشار ہزامن، الاسلام و التجدید فی مصر، لجنۃ ترجمۃ دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء، ص ۱۵۳-۱۵۶

۸۵۔ تاریخ الاستاذ: جزء ۲، ۳۷-۴۵

۸۶۔ تفسیر المنار، جلد اول، جزء ۲، ۱۹۲

۸۷۔ تفسیر المنار، جلد اول، جزء اول، ۳۴۸

۸۸۔ تفسیر المنار، ۶/۱۹۸

☆